گھر ہونے تک

عائشہ خان

گرہونے تک

عائشہ خان

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

گرہونے تک

''طلا...ق ...اور اس بھکارن کی خاطر...؟'' وہ جیسے شدید شاک میں تھی۔

''ہاں' اسی بھکارن کی خاطر... کیونکہ اسی بھکارن نے چھ سال پہلے تمہارے شوہر کو زندگی کی بھیک دی تھی' اور پھر اسی نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو تمہارے دامن میں ڈال دیا تھا۔برابر کی حق دار اور حصہ دار ہوتے ہوئے بھی تمہاری راہ سے خاموشی سے ہٹ گئی تھی۔'' وہ فضا کے کانپتے وجود کو اپنے بازو کے حصار میں لے کر ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہے تھے۔مگر سارہ شاہ کی سماعت تو جیسے اس کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ بھی

نہیں آرہاتھا۔وہ ساکت وجامد کھڑی ایک ٹک ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ان آنکھوں کو اس نے پچھلے پندرہ برسوں میں کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا لیکن ان آنکھوں کے ایک ایک رنگ سے وہ بخوبی واقف تھی...مگر یہ کون سا رنگ تھا... اسے تو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھاتھا... کبھی نہیں برتاتھا' اس سے تووہ آشنا ہی نہیں تھی۔ہمیشہ محبتوں میں گھری رہنے والی سارہ شاہ نفرت کے اس رنگ کو تو پہچانتی ہی نہیں تھی۔

مگر پھر سارے وجود میں درد ہی درد کیوں پھیلتا جارہاتھا۔

دل کیوں یوں کٹ رہاتھا۔

رگیں کیوں ٹوٹتی محسوس ہو رہی تھیں۔

روح کیوں جسم کاساتھ چھوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی اپنی تمام تر حسیات مرکوز کرتے ہوئے مراد شاہ کی بات سننے کی سعی کی تھی لیکن ایک گہرے درد'شدید کرب نے کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر کردیاتھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اگلے ہی لمحے وہ مٹی کے بے جان تودے کی مانند زمین پرآن گری تھی۔

...☆☆☆...

ہوش وخرد سے رابطہ استوار ہوا تو سارہ شاہ کو پتا چلا تھا کہ شدید نروس بریک ڈائون سے انچاس گھنٹے بیہوش رہنے کے بعد وہ ہوش میں آئی تھی۔

”کاش! میں کبھی ہوش میں نہ آتی۔“ یہ پہلا خیال تھا جو آنکھیں کھولتے ہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔مراد شاہ جو اس کے پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے' اسے ہوش میں آتے دیکھ کر لپک کر اس کی طرف بڑھے اور بے حد ملائمت سے اس کا ہاتھ تھام کر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے انہیں پیچھے ہٹ جانے کااشارہ کیا تھا۔وہ کتنی ہی دیرگم صم سے اس کے پاس کھڑے رہے تھے اور پھر خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔امریکا سے اس کے دونوں بڑے بھائی اور بھابیاں اپنے بچوں کے ساتھ پہلے ہی پاکستان آئے ہوئے تھے۔بہروز بھی بہن کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی فوراً آپہنچا تھا۔سب اس کے پاس آرہے تھے۔اسے پیار کررہے تھے' اس کے ہوش میں آنے

پرخوشی کااظہار کررہے تھے۔مگر وہ تو جیسے حواس میں ہوتے ہوئے بھی کچھ محسوس نہیں کررہی تھی۔لیکن نہیں، ایسا نہیں تھا... اگر وہ کچھ محسوس نہ کررہی ہوتی تو اس کی آنکھوں کے گوشوں سے وہ گرم گرم سیال مادہ نہ بہہ رہا ہوتا جس نے اس کا تکیہ گیلا کردیاتھا۔

سب کے مل لینے کے بعد ایک بار پھر مراد شاہ اس کے قریب آئے تھے۔

”سارہ! بس ایک بار میری پوری بات سن لو پلیز۔پھرتم جو کہوگی ہم وہی کریں گے۔میں اور فضا...“ وہ بے حد لجاجت بھرے لہجے میں کہتے کہتے یکدم خاموش ہوگئے تھے۔اس کے مسلسل نفی میں ہلتے سراور بند آنکھوں نے انہیں جملہ مکمل نہیں کرنے دیا تھا۔اس کے چہرے پر اس قدر تکلیف کے آثار تھے کہ ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔

وہ انہیں دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

وہ ان سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان کی وہاں موجودگی اس کے لیے اذیت کا باعث تھی اور اس کی یہ کیفیت اس کی صحت پر اثر انداز ہوسکتی تھی اس سوچ کے ساتھ ہی وہ چپ چاپ اٹھے اور باہر نکل آئے۔تھکے تھکے قدموں سے چلتے وہ کوریڈور میں ٹہلتے ،بہروز ہاشمی اور کِکی کے پاس چلے آئے۔

”آپ لوگ تو ادھر ہی ہیں، میں سوچ رہا تھا کچھ دیر کے لیے گھر چلاجائوں شاوروغیرہ لے کر چینج کرکے پھر آجائوں گا۔“

بہروز ہاشمی نے قدرے سنجیدگی کے ساتھ اثبات میں سرہلادیا۔کِکی نے سرد نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا اور وہ اس سے نگاہ چراتے ہوئے مضمحل سے قدموں سے شیشے کا دروازہ کھول کرباہر نکل گئے۔

جس وقت وہ گھر پہنچے طبیعت پر بے حد پژ مردگی طاری تھی۔دل ودماغ جیسے کسی نادیدہ سے بوجھ کے نیچے دبے جارہے تھے۔سارہ ان سے لڑتی ،جھگڑتی، ناراض ہوتی، ان پر غصہ نکالتی تو شاید وہ اتنا مضطرب نہ ہوتے، مگر اس کی بیماری او رمسلسل خاموشی نے انہیں جس کیفیت کاشکار کیاتھا، وہ ان کے لیے

بے حد تکلیف دہ تھی۔فضا ان کی گاڑی کی آواز سنتے ہی تیزی سے باہر کی طرف بڑھی تھی مگر ان کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اس کے قدم ایک دم سست پڑگئے تھے۔

"کیا ہواشاہ جی! کیا سارہ باجی ہوش میں آگئیں؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔اثبات میں سرہلاتے ہوئے مراد شاہ نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔"پھر ...آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟" ان کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

"اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی بلکہ اس نے کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی اور میری طرف تو اس نے دیکھا تک نہیں۔" گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر کی جانب بڑھے اور لائونج میں پڑے صوفے پر خود کو گرا دیا۔

فضا چند لمحے خاموش کھڑی ان کو دیکھتی رہی تھی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی تھی اور ان کے برابر بیٹھتے ہوئے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے شاہ جی! "آہستگی سے کہتی وہ خود کو حقیقتاً مجرم محسوس کررہی تھی۔مراد شاہ ایک دم سیدھے ہوئے اور ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔

"نہیں فضا! ایسا نہیں ہے اور ایک بات یاد رکھو کہ انسان کے ساتھ دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس میں اس کی اپنی ہی کوتاہیوں کا عمل دخل ہوتا ہے چلو چھوڑو ان باتوں کو تم یہ بتائو کہ تم نے کھانا کھالیا؟" اس کے مرجھائے مرجھائے سے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہیں جیسے یکدم خیال آیا۔

"نہیں۔" فضا نے آہستگی سے نفی میں سرہلایا۔"آپ فریش ہوجائیں پھر مل کر کھاتے ہیں۔"

وہ چند ثانیے اسے دیکھتے رہے تھے پھر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے۔کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔فضا اس ساری صورت حال میں خود کو قصور وار گردان رہی تھی جبکہ مراد شاہ کے لیے یہ سب کچھ اس قدر غیر متوقع تھا کہ وہ بری طرح الجھے ہوئے تھے۔اپنی فطری نرم دلی کی وجہ سے وہ بے حد مضطرب تھے اور سمجھ نہیں پارہے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیے۔ان کا خیال تھا کہ سارہ ان پر بگڑے گی ' لڑے جھگڑے گی' انہیں برا بھلا کہے گی اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے منا ہی لیں گے۔لیکن یہ سب کچھ جو ہواتھا ان کے سان وگمان میں بھی نہیں تھا۔اپنے انہی خیالات کا اظہار انہوں نے فضا سے کیا تھا تووہ ایک دم آبدیدہ ہوگئی تھی۔

”شاہ جی! سارہ باجی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں۔اپنی محبت میں کسی اور کی حصے داری وہ برداشت نہیں کرپائیں۔آپ کیوں اپنی خوش گوار زندگی میری خاطر خراب کرتے ہیں؟آپ بس کسی بھی طرح انہیں منالیں' انہیں بتادیں کہ میں آپ کی زندگی سے نکل جائوں گی۔میرا کیا ہے شاہ جی مجھے تو عادت

ہے دل کو مارنے کی' اپنی خواہشات کو دل میں ہی دفن کرنے کی' میں نے سخت غلطی کی جو...“ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

مراد شاہ کچھ دیر ساکت آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے تھے پھر آگے بڑھ کر اسے کندھوں سے تھام لیا۔

”تمہیں ہوگی عادت ہر طرح کے حالات میں رہنے کی' اپنی خواہشات مارنے کی' لیکن اب تمہیں یہ عادت بدلنا پڑے گی' تمہیں بار بار مجھے یہ باور کرانا ہوگا' بار بار اس خواہش کااظہار کرنا ہوگا کہ تم میرے بغیر نہیں رہ سکتیں۔کہو ...کہو نہیں رہ سکتیں تم میرے بغیر!“

اس کے کندھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لیے وہ چلانے کے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔فضا رونا دھونا بھول کر حیران وپریشان سی پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھنے لگی' تب وہ سنبھلے اوراس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے اور اک گہرا سانس لیتے ہوئے اس کا چہرہ

دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔"دوبارہ کبھی جانے کی بات مت کرنا' تم شاید میرے بغیر رہ لو مگر میں نہیں رہ سکتا اب' یہ یاد رکھنا۔" ٹھہرے ٹھہرے گمبھیر لہجے میں کہتے ہوئے وہ فضا کو بے حد مضطرب نظر آئے تھے۔فضا کے بس میں ہوتا تو وہ کسی بھی طرح سے ان کی ساری بے چینی' سارا اضطراب اپنے دل میں سمیٹ کر انہیں پہلے کی طرح خوش وخرم کردیتی مگر وہ اس وقت خود کو بہت بے بس پارہی تھی۔

...☆☆☆...

"ڈاکٹر! اس کمرے میں میری بیگم تھیں؟"

وہ اسپتال آئے تو سارہ کے کمرے میں بیڈ پر دراز لڑکے اوراس کے سرہانے کھڑے ڈاکٹر کو چند لمحے حیرت سے دیکھتے رہے تھے پھر بمشکل حلق سے آواز نکالی تھی۔

"وہ تو شام کو ہی چلی گئی تھیں۔"

"جی ..." وہ ششدر سے ڈاکٹر کا منہ دیکھ رہے تھے۔ڈاکٹر جھک کر بچے کو چیک کرنے لگا تھااور وہ مرے مرے قدموں سے کمرے سے نکل آئے تھے۔

"مراد بھائی سارہ انجکشنز کے زیر اثر سورہی ہے ڈاکٹرز کا خیال ہے اسے صبح سے پہلے پریشان نہ کیا جائے۔اس لیے آپ اب گھر پر ہی آرام کریں' صبح آجایئے گا۔"

ککی نے انہیں فون پر کہا تھا۔

وہ شیشے کا دروازہ کھول کرکاریڈور سے نکلے تو ان کے اندر عجیب سی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی یقینا ککی نے یہ سب ان سے سارہ کی خواہش پر ہی کہا ہوگا۔بالوں میں انگلیاں الجھاتے' خالی الذہنی کی سی کیفیت میں وہ اسپتال سے نکل آئے تھے۔گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل غور کرتے رہے تھے کہ انہیں سارہ سے کیسے بات کرنی چاہیے کیا کہنا چاہیے جو اس کے غصے اور رنج کی شدت کو کچھ کم کردے' وہ ٹھنڈے دل سے سارے معاملے پر غور کرنے کے لیے تیار ہوجائے' گو یہ سب انہیں بے حد مشکل بلکہ ناممکن نظر آرہا تھا

لیکن وہ پھر بھی خود کو امید اور حوصلہ دلائے ”سارہ منزل“ کی طرف رواں دواں تھے۔گیٹ پر چوکیدار نہیں تھا۔انہوں نے ایک دو بار ہارن دینے کے بعد گاڑی سے اتر کر بیل بجائی تھی۔پھرگاڑی میں آبیٹھے تھے۔چند لمحوں کے بعد چوکیدار حیران حیران سا گیٹ کھول کرباہر نکلا تھا۔

”السّلام علیکم صاحب جی!“

”وعلیکم السّلام...!“ مراد شاہ نے الجھن بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔بات تھی بھی حیرانی والی کہ گیٹ کھولنے کے بجائے وہ باہر آکر سلام کررہاتھا۔

”تو کیا اب اس گھر میں ان کا داخلہ بھی ممنوع ہوچکاتھا۔“ انہوں نے بے یقینی سے سوچاتھا۔

”صاحب! گیٹ کھولوں جی اندر آئیں گے؟“ انہیں مسلسل گیٹ کی جانب دیکھتے پاکر اس نے الجھے الجھے لہجے میں پوچھا تھا۔

”تو اورتمہارے سر میں جائوں گا۔فوراً گیٹ کھولو۔بے وقوف آدمی! خبردار جو دوبار ہ میرے آنے پر یوں کھڑے ہو کر سوال جواب کیے۔“ شدید غصے اور رنج کے عالم میں وہ تقریباً دہاڑے تھے۔

”ایک منٹ صاحب میں ابھی چابی لایا۔“ وہ بے چارہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کہتا بھاگتا ہوا اندر گیا۔

”چابی!“ زیرلب کہتے ہوئے مراد شاہ نے گیٹ کی جانب دیکھا تھا۔موٹا سا تالا ان کامنہ چڑا رہاتھا۔وہ خالی خالی نگاہوں سے اس موٹے سے سیاہ تالے پرنگاہیں جمائے عجیب بے بسی کی کیفیت میں تھے۔

ثمین کامیکہ تو امریکا میں ہی تھااور بڑی دونوں بھابیوں کے میکے سارہ کو عام دنوں میں جاناپسند نہیں تھا کجا کہ بیماری کی حالت میں‘ یقینا وہ لوگ کسی ہوٹل میں گئے تھے۔مگر وہ اب انہیں کیسے تلاش کرتے۔شام کو کلی کے فون اور پھر شام کو ہی اسپتال سے چلے جانے کامطلب بخوبی ان کی سمجھ میں آرہاتھا۔سارہ نہ ان سے بات کرنا چاہتی تھی اور نہ ملنا چاہتی تھی۔اور جب

تک وہ نہ چاہتی' اس کے بھائیوں اور بھابیوں میں سے کوئی ان کی مدد نہیں کرسکتا تھا۔انہوں نے ایک موہوم سی امید کے سہارے بہروز ہاشمی کا نمبر ملایا تھا۔بیل گئی تھی اور پھر فوراً ہی فون بند کردیا گیا تھا۔ایک گہری ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے انہوں نے گاڑی ریورس کی تھی اور تبھی چوکیدار اندر سے نکل آیا تھا۔انہیں گاڑی ریورس کرتے دیکھ کر وہ بھاگتے ہوئے ان کی جانب بڑھا تھا۔

"صاحب جی ! آپ واپس جارہے ہیں؟"

"ہاں' ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔"آہستگی سے کہتے ہوئے انہوں نے گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھادی تھی۔

پھراگلے کئی دن وہ روز "سارہ منزل" کا چکر لگاتے رہے تھے دن میں کئی کئی بار بہروز ہاشمی 'ثمین اور سارہ کے فون پر رابطہ کرتے رہے تھے مگر سوائے ناکامی اور مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔سارہ کے سیل فون پر بار بار ایس ایم ایس کیے تھے مگر ادھر ہنوز ایک ہی جواب تھا' گہری خاموشی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

...آخر تنگ آکر انہوں نے بھی چپ سادھ لی۔کسی کسی وقت تو انہیں خود پر ہی غصہ آتا تھا کہ آخر وہ کیوں اتنے حساس تھے۔کیوں انہیں ہر دم دوسروں کی رنجیدگی کا ان کی خوشی کا خیال رہتا تھا۔وہ کیوں عام لوگوں کی طرح صرف اپنی خوشی کو پیش نظر رکھ کر باقی ہر طرف سے آنکھیں نہیں پھیر پاتے تھے۔سارہ کو خوش رکھنے کے لیے انہوں نے کیا نہیں کیا تھا۔اپنی ہر خواہش ' ہر آرزو کو دل میں ہی مار دیا تھا۔اس نے تو شاید کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی ان کے بارے میں ایسے نہ سوچا ہو جیسے وہ سوچتے تھے۔انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ آئندہ وہ اسے یوں سر پر سوار نہیں کریں گے۔فضا کے

ساتھ خوش رہنے اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کریں گے۔فضا کے خیال کے ساتھ ہی ایک نرم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر در آئی تھی۔وہ کتنی فکرمند تھی سارہ کے لیے' ان کے لیے' وہ ان کی خوشیوں کی خاطر خود کو ان کی راہ سے ہٹالینا چاہتی تھی۔ان کی ساری تسلیوں اور یقین دہانیوں کے

باوجود وہ یوں ان کی زندگی میں آکر پریشانیوں کا سبب بن جانے پر نادم ہوتی تھی۔

”کاش سارہ میں بھی ذرہ برابر ہی سہی، احساس نام کی کوئی چیز ہوتی تو حالات اس نہج پر کبھی نہ آتے۔“ انہوں نے تاسف سے سوچا۔

انہیں سرِشام گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر فضا کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرانی جھلملائی تھی پھر فوراً ہی نرم سی مسکراہٹ لبوں پر لیے وہ آگے بڑھی اور بریف کیس ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔

”مائی ڈیئر وائف جلدی سے تیار ہوجاؤ بہت دنوں کے بعد آج اس قدر خوشگوار موسم ہے، فائدہ اٹھانا چاہیے۔شاپنگ کریں گے، ڈنر بھی باہر ہی ہوگا اور پھر لانگ ڈرائیو۔“ اسے بازو کے حصار میں لیتے ہوئے انہوں نے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا تھا۔وہ مسکرانے کی،خوش نظر آنے کی کوشش کررہی تھی مگر آنکھوں کی وہ چمک مفقود تھی جو پہلے دو دن ہر وقت نظر آتی رہی تھی۔

مراد شاہ نے ایک دم دل پر اک بھاری بوجھ گرتا محسوس کیا تھا۔انہیں یوں محسوس ہوا تھا کہ حقیقی مسرت اور خوشی کے جیسے بس وہی دو دن تھے، جو بیت گئے تھے۔وہ آہستگی سے اس کے رخسار کو تھپتھپاتے بوجھل قدموں سے بیڈروم کی طرف بڑھ گئے تھے۔

...☆☆☆...

بہت سے بے رنگ دنوں کے بعد جب وہ لوگ ایک اچھی شام گزارنے کے خیال سے باہر نکل رہے تھے تو مراد شاہ کا فون بج اٹھا تھا۔ثمین کا نمبر دیکھ کر وہ چونکتے ہوئے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

ان کی بے شمار کالز کے جواب میں مکمل خاموشی کے بعد سارہ کی طرف سے کسی فرد کی یہ پہلی کال تھی۔سارہ کے سب گھر والوں میں سے ثمین کو اس سارے معاملے میں ان سے ہمدردی تھی۔یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سارہ کے بعد سب سے زیادہ کوشش بھی ثمین سے رابطے کے لیے کی تھی مگر اس کی سرد مہری نے انہیں بری طرح مایوس کیا تھا۔

"مراد بھائی! سوری لیکن میں آپ کی کال ریسیو نہیں کرسکتی تھی' سارہ نے مجھ سے وعدہ لیا تھا اور آپ تو اسے جانتے ہی ہیں۔" ان کے ہیلو کے جواب میں اس کی مدھم سی آواز آئی تھی۔اوران سے زیادہ بھلا سارہ شاہ کو کون جانتاتھا' ایک تلخ سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا تھا۔

"صبح سے میں سوچ رہی تھی کہ کیا کروں ... آپ کو فون کروں یا نہ کروں لیکن اب رہا نہیں گیا..." وہ ایک دم چپ ہوگئی تھی۔

"خیریت تو ہے ناثمین بھابی!" وہ ایک دم پریشان ہوئے۔

"وہ کل امان کو پاکستان بھجوارہی ہے۔"

"اوہ' تو آپ لوگ واپس چلے گئے تھے اسی دن؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"ہاں' سارہ کی ضد تھی۔"،ثمین نے کہا اور مراد شاہ سے کتنی دیر کچھ بولا ہی نہیں گیاتھا۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"مراد بھائی! بچے بہت حساس ہوتے ہیں... امان کے لیے سارہ کے بغیر پاکستان آنا اور فضا کو ماں کے روپ میں قبول کرنا آسان نہیں ہوگا۔یہ صور تحال اس کو ذہنی طور پر پریشان کرسکتی ہے لیکن سارہ ہے کہ کچھ بھی سننے کو تیار ہی نہیں ' بس ایک ہی رٹ ہے کہ امان کو پاکستان بھجوا دیں' جب اس کے باپ سے میرا کوئی تعلق نہیں تو اس سے بھی نہیں' بہت سمجھایا ہے میں نے اور بہروز نے لیکن وہ نہیں مانی' مجبوراً ہم لوگ ایک دودن میں امان کو بھیج رہے ہیں آپ کچھ کرسکتے ہیں تو کوشش کردیکھیں کہ وہ امان کو فی الحال یہیں رہنے دے۔"

"میں کیا کروں بھابی! اس دن سے اسے اور آپ کی پوری فیملی کو فون کرکرکے تھک چکا ہوں۔بے شمار میسجز کیے ہیں سارہ کے موبائل پر مگر کوئی جواب نہیںدیا اس نے' کیا کروں آخر میں؟" انھو ں نے بے بسی وناراضی سے کہا۔

ثمین بھلا کیا کہتی' ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

’’ٹھیک ہے مراد بھائی' یونہی خیال آیا تھا کہ آپ کو پہلے سے بتادوں تاکہ آپ اس معاملے کو بہتر طور سے ہینڈل کرسکیں۔امان کے بارے میں کتنی حساس تھی وہ مگر اب تو یوں لگتا ہے کہ اس واقعہ نے جیسے اسے ہر احساس سے عاری کردیا ہے لیکن آپ تو سمجھ سکتے ہیں نامراد بھائی کہ امان کے لیے یہ قطعاً بہتر نہیں ہوگا۔ایک دن تووہ سارہ کے بغیر رہتا نہیں ہے۔اوکے مراد بھائی! لگتا ہے سارہ اٹھ گئی ہے اللہ حافظ۔‘‘

فون بند ہوگیا تھااور وہ گم صم سے کھڑے تھے۔

’’کیابات ہے شاہ جی ... ! آپ پریشان نظر آرہے ہیں۔سب خیریت تو ہے نا! کس کا فون تھا؟‘‘فضا جو انہیں موبائل فون پر بات کرتے دیکھ کر لان میں چلی آئی تھی' انہیں یوں گہری سوچ میں ڈوبے پریشان دیکھ کرچھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب آئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ چند لمحے الجھی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے تھے پھر اسے لیے لان کی کرسیوں پرآبیٹھے تھے اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں سارا مسئلہ اسے بتادیا تھا۔

وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھتی ساری بات سنتی رہی تھی پھر آہستگی سے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

’’میرا خیال ہے شاہ جی کہ آپ کو فوراً امریکا جانا چاہیے اور سارہ باجی سے مل کر انہیں منانے کی کوشش کرنی چاہیے۔اب کچھ دن گزر گئے ہیں آپ ان سے مل کرپیار محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں گے تووہ ضرور آپ کی بات سمجھ جائیں گی۔دیکھاجائے تو ان کا رویہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں۔دیکھیے نا! غصے اور رنج میں انسان کایہی ردعمل ہوتا ہے۔‘‘ اپنے دھیمے اور شیریں لہجے میں وہ انہیں اس عورت کے بارے میں دلائل دے رہی تھی جو اسے اپنے اجڑنے کا واحد سبب گردانتے ہوئے گالیوں اور گھونسوں کے ساتھ اس پر پل پڑی تھی۔کیسی انہونی بات تھی نا!

انہوں نے بغور اسے دیکھا تھا۔وہ انہیں کسی اور ہی دنیا کی باسی دکھائی دے رہی تھی۔کسی قسم کی ناگواری ،جلن، حسد کا نام ونشان نہیں تھا۔

"دراصل وہ آپ سے بے حد محبت کرتی ہیں، اس لیے یہ سب برداشت نہیں کرپارہیں۔" انہیں خاموش دیکھ کر اس نے مزید کہا تھا۔

"ہونہہ! بے حد محبت، کاش وہ تھوڑی سی ہی محبت کرتی۔" انہوں نے تلخی سے سوچا تھا۔اس کے نروس بریک ڈائون اور پھر ہوش میں آنے پر اس کی بہتی آنکھوں کو دیکھ کر انہوں نے بھی سوچاتھا کہ شاید وہ واقعی ان سے اتنی محبت کرتی تھی کہ ایک دوسری عورت کو ان کی زندگی میں برداشت نہیں کرپائی تھی، لیکن پھر وہ اپنے اس خیال کو بدلنے پر مجبور ہوگئے تھے اور اب توانہیں اپنی اس خوش فہمی پرہنسی آتی تھی اور اپنی بے وقوفی پر غصہ آتاتھا کہ برسوں سارہ شاہ کے ساتھ گزارنے ک باوجود بھی وہ اس کے بارے میں اس قدر خوش گمان ہوگئے تھے۔حالانکہ اب تو انہیں جان لینا چاہیے تھا کہ سارہ شاہ جیسی عورتیں صرف اپنے آپ سے محبت کرتی ہیں، اپنے دلکش سراپا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سے، اپنے حسین چہرے سے، یاپھر اپنی انا سے، انا مجروح ہو، انہیں نظرانداز کیا جائے، ان پر کسی اور کو فوقیت دی جائے تو ان کی برداشت سارہ شاہ ہی کی طرح جواب دے جاتی ہے۔یہ پہلی بار تھا کہ وہ سارہ کے بارے میں شدید ناگواری اور تلخی سے سوچ رہے تھے اور جوں جوں سوچ رہے تھے ان کا غصہ بڑھتا جارہاتھا۔یہ لڑکی جو ان کے سامنے بیٹھی تھی، نہ تو سارہ شاہ کی طرح حسن وجمال میں بے مثال تھی ، نہ پہننے اوڑھنے میں باکمال تھی، جس کی علمی استعداد اور خاندانی پس منظر کچھ بھی نہیں تھا لیکن اس کا ظرف بلاشبہ حیران کردینے والا تھا، وہ دل میں اترنے کا ہنر جانتی تھی، غم گساری کا ، دلداری کا فن جانتی تھی۔انہوں نے بے حد محبت اور عقیدت سے اسے دیکھاتھا۔وہ اپنی نرم اور دھیمی آوازمیں انہیں عورت کے احساسات اس کے جذبات کے بارے میں بتاتے ہوئے بڑی عمدگی کے ساتھ سارہ شاہ کی وکالت کررہی تھی۔اس عورت کی وکالت جو اس کانام تک سننے کی روادار نہیں تھی۔جو اس کے وجود کو کسی صورت برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔جو اسے

نہایت حقارت سے بھکارن کہتے ہوئے پیٹنے لگی تھی۔مراد شاہ کے دل میں فضا کی محبت دو چند ہوگئی تھی۔

...☆☆☆...

سارہ شاہ نے اپنی دکھتی آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے سونے کی کوشش کی تھی، چت لیٹے لیٹے تھکی تو تکیے میں منہ دے لیاتھا۔کروٹیں بدلتے بدلتے اس کا جسم دکھنے لگا تھا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔اسے لگتا تھا جیسے وہ صدیوں اور قرنوں سے سوئی نہیں تھی۔آنکھیں جو رتجگوں کی عادی نہیں تھیں، چند دنوں میں ہی ویران صحرائوں کے مانند نظر آنے لگی تھیں۔ایک گہری اور پرسکون نیند کے لیے وہ ترس کررہ گئی تھی۔نیند کی گولیوں سے نیند آتی بھی تو جیسے لاکھ منت سماجت کے بعد اور بیدار ہونے کے بعد دل وذہن اور جسم ویسے ہی تھکن سے نڈھال ہوتے۔ایک عجیب سی توڑ پھوڑ ہر وقت اس کے وجود کو بے کل کیے رکھتی تھی۔

ثمین سائے کی طرح اس کے ساتھ لگی رہتی، اس کو سمجھانے کی، بہلانے کی سعی کرتی رہتی، بہروز بھی شام کو خاص طور پر اس کے لیے وقت نکالتا۔ بڑے دونوں بھائی، بھابیاں اور بھتیجے بھتیجیاں بھی آتے جاتے رہتے، گھر میں ہر وقت چہل پہل رہتی مگراس کے اندر گہرا سناٹا بھائیں بھائیں کرتا ،اسے ڈراتا ،خوفزدہ کرتا۔ذرا سی اکیلی ہوتی، آنکھیں موندتی تو مراد شاہ کی نفرت میں ڈوبی نگاہیں، اس کی سانسیں بند کرنے لگتیں، پسینہ پسینہ کردیتیں، سر درد سے پھٹنے لگتا، دل کو جیسے کوئی آکٹوپس جکڑنے لگتا، وہ نگاہیں جب محبت کی مدھ برسایا کرتی تھیں تو اسے ان میں کوئی انوکھا پن، کوئی نیا پن محسوس نہیں ہوتاتھا، شاید اس لیے کہ محبت کی اس کی زندگی ہیںاس قدر فراوانی رہی تھی کہ تعریف اور ستائش کی طرح محبت بھی اسے اپنا حق لگنے لگی تھی۔یہ خیال اسے کبھی آیاہی نہیں کہ جو لوگ ہم سے محبت کرتے ہیں، جواب میں محبت پانے کے وہ بھی اتنے ہی حقدار ہوتے ہیں جتنا کہ وہ خود کو سمجھتی تھی اور یہ خیال اسے تب آیا تھا جب نہ کوئی فرض رہا تھا اور نہ کوئی حق۔

دکھتی آنکھوں کو انگلیوں سے دباتے ہوئے سارہ شاہ نے آنسوئوں کا اک گولا حلق میں پھنستا محسوس کیا تھا۔

”یقینا وہ محبت کی حقدار نہیں تھی۔“ کھلے دل سے اس نے اپنی غلطی کااعتراف کیا اور اذیت کااک گہرا احساس اس کے رگ وپے میں سما گیا۔محبت کو اس نے ہمیشہ انمول خزانہ نہیں بلکہ نذرانہ سمجھ کر وصول کیا تھا۔اس لیے یقینا وہ محبت کی حقدار نہیں تھی... مگر نفرت... اس کادل چاہا تھا وہ دہاڑیں مار مار کر روئے‘ اتنا کہ دل کی بنجر زمین سیراب ہوجائے۔آنکھوں میں مسلسل چبھتی ریت ان آنسوئوں میں بہہ جائے‘ مگر سونے کی طرح رونا بھی شاید سارہ شاہ کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔

سارہ شاہ اور اس قدر بے اختیار... کس قدر حیران کن بات تھی یہ اور حیران کن تو اور بھی بہت کچھ تھا جس کے بارے میں اس نے کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں سوچا تھا۔سوچنا تو دور کی بات تھی‘ ان کی تو اس سے آشنائی تک نہ تھی۔وہ کیفیات کیسے اس کی زندگی کا حصہ بن گئی تھیں۔اداسی‘ پژ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مردگی‘ رنج‘ دکھ‘ تنہائی‘ اتنے سارے رشتوں اور محبتوں کی موجودگی میں بھی تنہائی...یہ سب کیا تھا...؟ وہ حیران ہو ہو کر سوچتی لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اور کبھی جوبات دنوں‘ ہفتوں اور مہینوں سمجھ میں نہیں آتی وہ صرف ایک لمحہ‘ صرف ایک پل پوری جزئیات کے ساتھ سمجھا دیتا ہے اس وقت انسان کے سامنے جیسے کوئی فلم سی چلنے لگتی ہے جس میں اس کے دل کش خدوخال کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال بھی نظرآرہے ہوتے ہیں۔خود کو”یوں“ اپنے ”روبرو“ دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا ہے پھر کبھی تووہ فوراً ہی آنکھیں بند کرلیتا ہے اور ہر منظر نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے‘ کبھی خدوخال پر ہی یوں نگاہیں مرکوز رہ جاتی ہیں کہ اعمال نظر ہی نہیں آتے اور کبھی وہ مان لیتا ہے کہ ہاں یہ وہ ہی ہے۔وقتی طو ر پر یہ مشکل ہوتا ہے‘ ندامت بھی ہوتی ہے‘ شرمساری بھی لیکن اس کے بعد یہ مان لینا بڑے دور رس نتائج لاتا ہے۔

اس وقت سارہ شاہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔

جب سونے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تووہ کسلمندی سے اٹھی اور واش رُوم کا رخ کیا‘ کافی دیر شاور لینے کے بعد طبیعت پر چھائی مردنی اور پژ مردگی کچھ کم ہوئی تھی لان کا سوٹ جس پراس نے بڑے شوق سے ڈیزائننگ کی تھی‘ بے دلی سے پہنتی‘ بالوں میں بے پروائی سے برش کرتی‘ وہ بیڈروم سے نکل آئی تھی۔

”امان...“لائونج میں صوفے پر گھٹنوں میں سردیے امان کو دیکھ کر وہ تیر کی طرح آگے بڑھی تھی۔

”امان! تم ٹھیک تو ہو میرے بچے!“ بے چینی سے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”یس مما!“

”تو ایسے کیوں بیٹھے ہو بیٹا! آپ تو امروز کے ساتھ گیم کھیل رہے تھے نااور آپ کہہ رہے تھے آج آپ اسی کے ساتھ سوئوگے بھی۔“ پریشانی سے وہ ایک ہی سانس میں پوچھے گئی۔

”نیند نہیں آرہی تھی مما!“

”تو آپ میرے پاس کیوں نہیں آئے ؟“

”آیا تھا نامما! آپ سو رہی تھیں۔مما آپ کو پتا ہے انکل کی طبیعت بہت خراب ہے۔“ ایک دم وہ فکر مند لہجے میں بولا تھا۔

”بہروز بھائی کی...؟آپ کو کس نے بتایا؟“

”آنٹی کہہ رہی تھیں آپ کے انکل کی طبیعت خراب ہے آپ کچھ دیر بیٹھو‘ ابھی ٹینا آتی ہے تو آپ کو کھانا دیتی ہے۔مما‘ انکل کے بہت زیادہ درد ہے کیا؟“

”اوہ“ پریشانی سے اس کے منہ سے نکلا اور وہ تیزی سے بہروز بھائی کے کمرے کی طرف بڑھی۔

”آجائو سارہ۔“ سارہ کی آواز پر ثمین نے دروازہ کھولا۔پھر بہروز کی پائنتی کے پاس بیٹھ کر ان کے پائوں دبانے لگی۔

"کیا ہوا بھائی...امان بتارہا ہے کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" اس نے فکرمندی سے بھائی کو دیکھا۔

"تین چار دن سے اس قدر بخار ہے' کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں آرام کرلیں مگر سنتے ہی نہیں۔" ثمین نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں بھائی! کیوں کررہے ہیں آپ ایسا؟" اس نے قریب آکر بھائی کی پیشانی کو چھوا۔

"سارہ! کچھ بھی نہیں ہوا ہے مجھے' ذرا سا ٹمپریچر ہے۔مگر یہ جو تمہاری بھابی اور دوست ہے نا! ایک دم پاگل ہے۔یوں میرا خیال رکھ رہی ہے جیسے خدانخواستہ جانے کیا ہوگیا ہے مجھے۔میں سو رہا ہوتا ہوں یہ مجھے دباتی رہتی ہے۔ہے ناپاگل۔" وہ بے حد پیار بھری نظروں سے ثمین کو دیکھتے کہہ رہے تھے۔اور سارہ شاہ ایک ٹک بہروز کی پنڈلیاں دباتی ثمین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ایک دھیمی اور گمبھیر آواز کی گونج اسے بہت نیچے کسی گہرے پاتال میں لیے جارہی تھی۔

...☆☆☆...

"اف!" مراد شاہ اضطراری حالت میں سر کو تکیے پر ادھر سے ادھر پٹختے ہوئے کراہ رہے تھے۔سارہ نے ان کی کراہ پر ایک ثانیے کو پلٹ کر انہیں دیکھا تھا۔باہر نکل کر خانساماں کو چائے اور سردرد کی ٹیبلٹ لانے کے لیے کہااور پھر واپس آکر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہوگئی تھی۔آج ککی کی منگنی تھی۔عزیز واقارب کے علاوہ شوبز کے بہت سے لوگ آرہے تھے۔کئی ماڈلز اور فلم اسٹارز بھی تھیں۔ککی نے خاص طور پر اس سے فرمائش کی تھی کہ آج اسے خوب اچھی طرح تیار ہو کر آنا ہے۔

"بس ہر طرف ککی کی بیسٹ فرینڈ ہی کا تذکرہ ہونا چاہیے۔"

"اور ککی خود..." سارہ ہنسی تھی۔

"ککی کے علاوہ..." اس نے کھنکتی ہنسی کے دوران کہا تھا۔آج کل وہ بے حد خوش تھی اور یہ خوشی اس کی ہر ادا سے ظاہر تھی۔

"سارہ! یار بہت درد ہے' ذرا سر دبادو پلیز۔" مراد شاہ اس کی تمام تیاریوں سے بے خبر نیم غنودگی میں کہہ رہے تھے۔وہ پہلے ہی نوشین کے کراچی چلے جانے پر سخت جھنجلائی ہوئی تھی۔عادت بھی تو ایسی ہوگئی تھی اس سے میک اپ کروانے کی کہ کسی اور بیوٹیشن کے بارے میں سوچنے کو بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

"سارہ ..." مراد شاہ نے اپنی بند آنکھیں بمشکل کھولنے کی سعی کرتے ہوئے بے چینی سے پکارا تھا۔اس نے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا اوران کے سرخ چہرے اور مندی مندی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے فکرمند سی ہو کر ان کی جانب بڑھی تھی۔ تبھی اس کے فون کی گھنٹی بجی تو موبائل فون اٹھاتے ہوئے اس نے نمبر دیکھا تھا۔کلی کا فون تھا وہ بری طرح جھنجلائی تھی۔"اب کیا کروں ...؟" ایک نظر مراد شاہ کی طرف اور دوسری وال کلاک پرڈالتے ہوئے وہ الجھی ہوئی تھی۔فنکشن چھوڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن مراد شاہ کا بخار بھی مسلسل بڑھتا جارہاتھا۔انہیں اس حالت میں چھوڑ کر

جانے کو بھی دل نہیں مان رہاتھا۔چند لمحے سوچنے کے بعداس نے جلدی سے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا تھااور خود اپنی تیاری کو فائنل ٹچ دینے لگی تھی۔کچھ ہی دیر میں ڈاکٹرراحیل آپہنچے تھے۔

تب تو اس نے غور ہی نہیں کیا تھا مگر اب سارہ شاہ کو یاد آرہاتھا کہ مراد شاہ کو چیک کرنے کے بعد اسے دیکھتے ہوئے وہ کس قدر حیران اور متاسف تھے۔ان کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو یقینا یونہی حیران ومتاسف ہوتا۔شوہریوں بے سدھ پڑا ہواور بیوی سج سنور کر فنکشن میں شمولیت کے لیے بیتاب ہو تو اس پرسوائے افسوس کے اور کیا بھی کیا جاسکتا ہے۔اور صرف ایک یہی نہیں' ایسے اور بھی بہت سے لمحے تھے جو اسے ایک ایک کرکے یاد آنے لگے تھے اور بار ندامت سے اس کے سر کو جھکانے لگے تھے۔

شرمساری' ندامت' نہیں یہ بہت چھوٹے لفظ تھے اس وقت سارہ شاہ کی جو کیفیت تھی اس کی عکاسی شاید ان لفظوں سے نہیں ہوسکتی تھی۔گزرے ماہ وسال میں اس نے جب بھی اپنے خوب صورت ترین چہرے اور سراپا کو

دیکھا تھا تو ہمیشہ اپنے اس بے تحاشا حسن کو سراہا تھا‘ اسے امر کرنا چاہا تھا مگر اب پہلی بار اپنے بدصورت ترین رویوں کو دیکھ رہی تھی تو مرجانا چاہتی تھی اور مرتو شاید وہ چکی ہی تھی۔کسی بہت اپنے‘ چاہنے والے شخص کے دل سے اترجانا مرجانے کے مترادف ہی تو ہے۔

”کیا ہوا سارہ...تم ٹھیک ہو؟“ثمین نے فکرمندی سے اسے دیکھا مگر وہ جیسے اپنے آپ میں نہیں تھی تیزی سے پلٹی اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

”اسے کیا ہوا؟“ بہروز ہاشمی نے پریشانی سے اٹھنا چاہاتھا مگر ثمین نے دھیرے سے شوہر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اٹھنے سے روک دیا۔

”شاید کسی یاد نے دل میں ہلچل مچائی ہوگی اسے کچھ دیر تنہا رہنے دیں‘ سوچنے دیں‘ رونا چاہے تو کھل کر رونے دیں‘ اسے فیصلہ کرنے دیں کہ اسے آئندہ کیا کرنا ہے۔ہر وقت اس کے ساتھ لگے رہنا خود اس کے لیے سودمند نہیں ہے۔“ بیوی کی اس بات سے متفق ہوتے ہوئے بہروز نے ایک گہری سانس لی اور سر واپس تکیے پر رکھ دیا۔

بے شمار دنوں کے بعد اس دن سارہ شاہ کھل کر روئی تھی۔اس قدر ٹوٹ کر جیسے آج کے بعد دوبارہ کبھی نہیں روئے گی۔روتے روتے اس کی آواز بیٹھ گئی اور آنکھیں سوج گئی تھیں۔آخر کار وہ بے دم ہو کر آڑھی ترچھی بستر پر گر گئی تھی۔اور عین اسی وقت مراد شاہ نے بہروز ہاشمی کے گھر میں قدم رکھا تھا۔

امان ‘مراد شاہ کی آواز سن کر بھاگ کر آیا تھااور ان کے ساتھ لپٹ گیا۔

”شکریہ پاپا! آپ آگئے۔میں آپ کو بہت یادکررہاتھا۔“

”کمال ہے یار! آپ اپنی مما کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی مجھے یاد کررہے تھے؟ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔یقینا کوئی فرمائش پوری کروانے کے لیے پپا سے سفارش کروانی ہے۔“ وہ اسے اٹھائے ہوئے خوشدلی سے مسکرائے۔

”آپ کو پتا ہے مما ٹھیک نہیں ہیں۔وہ زیادہ تر کمرے میں ہی رہتی ہیں اور آج تو میں بہت دیر تک دروازہ بجاتا رہا ...اتنی آوازیں بھی دیں...وہ بولی تک نہیں آپ کو پتا نہیں پپا مجھے کتنا رونا آیا؟ بہت زیادہ... تب آنٹی نے مجھے کہا

کہ اچھے بچے روتے نہیں ہیں، میں اچھا بچہ ہوں ناپپا! میں رو تو نہیں رہا۔مگر پاپا مما کو دروازہ تو کھولنا چاہیے تھا نا!" قدرے ناراض اور فکرمندی سے کہتا وہ انہیں اپنی عمر سے بہت بڑا لگا۔انہوں نے اس کے پھولے پھولے رخساروں پر پیار کیا اور اسے اٹھائے اٹھائے اندر کی جانب بڑھے اور تبھی انہیں محسوس ہوا تھا کہ وہ خاصا کمزور ہوچکاتھا۔

"کتنی عجیب عورت ہو تم سارہ شاہ! کس قدر عجیب سوائے اپنے آپ کے تمہیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ساری زندگی تمہاری بے حسی اور خود پرستی نے مجھے اذیت دی اور اب یہی اذیت تم میرے بیٹے کو دینا چاہتی ہو، مگر اب میں خاموش نہیں رہوں گا۔بہت فائدہ اٹھالیا تم نے میری خاموشی کامگر اب اور نہیں۔" امان کے چہرے پرنگاہ جمائے انہو ں نے انتہائی تلخی سے سوچا تھا۔ثمین نے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن پھر آرام سے بات کرنے کا سوچ کر مراد شاہ کو بیٹھنے کا کہتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔مراد شاہ نے چند لمحے امان کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے کچھ

سوچا پھر اسے امروز کے ساتھ کھیلنے کا کہہ کر سارہ شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔وہ اس وقت شدید بدگمانی کاشکار تھے اور بدگمان انسان جو کچھ سوچ رہا ہوتا ہے وہی اسے ٹھیک نظر آتا ہے جو کچھ کررہا ہوتا ہے وہ اس کے لیے خود کو سوفیصد درست سمجھتا ہے۔مراد شاہ بھی ایسا ہی سمجھ رہے تھے۔اس وقت انہیں یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ ہوسکتا ہے واقعی وہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے امان کو توجہ نہ دے پارہی ہویا اس کی خرابی صحت کی وجہ سے امان بھی پریشان ہو اور کمزور ہو رہا ہو۔تیزی سے دروازہ بجاتے ہوئے انہوں نے خاصی بلند آواز میں اسے پکارا تھا لیکن اگلے ہی لمحے انہیں احساس ہوا تھا کہ اس وقت وہ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ان کی آواز خودبخود ہی دھیمی ہوگئی تھی۔

ان کی پکار جیسے خواب کے عالم میں سارہ شاہ کے سوتے جاگتے ذہن سے ٹکرائی تھی اوراس نے پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔وہ انتہائی بیتابی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی اور پھر جیسے زمین نے اس کے قدم

جکڑ لیے تھے۔بکھرے ہوئے بال... سرخ بے حد متورم آنکھیں... کچھ دیر وہ گومگوں کی کیفیت میں کھڑی رہی تھی مراد شاہ مسلسل دروازہ بجاتے ہوئے پکارے جارہے تھے۔وہ منہ پر چھینٹے مارنے کے خیال سے واش روم کی طرف بڑھنے کو تھی جب مراد شاہ کی بھنچی بھنچی آواز اور زہر میں ڈوبے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے اور اس کے اٹھتے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

وہ اپنی ساری غلطیاں مان چکی تھی۔ساری خطائیں تسلیم کرچکی تھی۔اس نے آج تک مراد شاہ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔جیسے جیسے ان کی محبتوں کو' ان کے جذبوں کونظر انداز کیاتھا' اس کے لیے وہ خود کومعافی کے قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔مگر یہ تووہ ایسی فرد جرم عائد کررہے تھے اس پر...؟ سائیں سائیں کرتے کانوں کے ساتھ بے یقینی سے دروازے کو گھورتی ہوئی وہ گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

وہ چیخ چیخ کر ان الزامات کی نفی کرنا چاہتی تھی مگر زبان گنگ ہو کررہ گئی تھی ذہن میں جھکڑ سے چل رہے تھے اور دل جیسے پھٹنے کو تھا۔

”کیا امان سے اس کی محبت پر بھی شک کیا جاسکتا تھا!“

اس نے اپنے گھومتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے جیسے خود سے پوچھا تھا۔ہاں' کیا جاسکتا تھا۔کیونکہ اس نے امان کو جنم نہیں دیا تھا۔وہ امان کی ماں نہیں تھی

”امان کی ماں ...!“ اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے اور دل جیسے شدت غم سے پھٹنے کو تھا۔وہ اٹھی تھی اور کانپتی ٹانگوں کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھی۔

ثمین جس وقت مراد شاہ کے لیے اسٹرابری شیک تیار کرکے لائی' مراد شاہ بے حد تیز قدموں سے باہر نکلتے دکھائی دیے۔وہ حیران وپریشان سی سارہ کے کمرے کی جانب آئی تھی اور عین اسی لمحے سارہ نے زاروقطار روتے اور چلاتے ہوئے دروازہ کھولا تھا۔

"ہاں...میں ایک خود غرض عورت ہوں۔خود پرست ہوں‘ دوسروں کو اذیت دیتی ہوں۔مگر... امان ...میں اس کو کیسے...میرا بیٹا ہے وہ‘ میری...میری جان ہے اس میں... میں اس کو ..." بکھرے بالوں اور سوجی ہوئی آنکھوں کو جیسے بمشکل کھولے‘ روتے سسکتے ہوئے‘ فریاد کناں لہجے میں کہتی ہوئی سارہ شاہ کو دیکھ کر ثمین کا دل جیسے پانی ہونے لگا تھا۔ہاتھ میں تھامی ٹرے وہیں پاس ہی ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھی اور سارہ شاہ کے لرزتے وجود کو تھام لیا۔

"سارہ پلیز...اپنے آپ کو سنبھالو...دیکھو کیا حالت بنارکھی ہے تم نے؟ امان تمہیں اس طرح دیکھے گاتو کس قدر ڈسٹرب ہوگا۔" بے حد نرم اور پیار بھرے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اسے ساتھ لیے کمرے میں آئی اور بیڈ پر بٹھادیا۔

"ثمین! تم میری دوست ہو نا...! تم تو مجھے جانتی ہونا! "وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں سارہ کیا تمہیں کوئی شک ہے۔میری دوستی اور محبت میں کوئی کمی محسوس کی ہے تم نے...؟" ثمین جانتی تھی کہ اس وقت اسے محبت اور غمگساری کی ضرورت ہے۔اس لیے بے حد ملائمت سے اس کے گیلے رخساروں کو صاف کرتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"وہ مراد شاہ وہ کہتے ہیں میں امان کو نظرانداز کررہی ہوں میں اس کا خیال نہیں رکھتی‘ اس لیے کہ وہ میرا نہیں کسی اور کابیٹا ہے اور میرے جیسی خود پرست عورت اپنے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کرسکتی۔تم بتاؤ ثمین! کیا میں امان سے محبت نہیں کرتی؟" اس کے لہجے میں عجیب سی بے تابی تھی۔ ثمین نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے اس کی کمر کو سہلایا۔

"مراد بھائی شاید اس وقت غصے میں ایسا کہہ گئے ہوں گے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں سارہ! وہ کیا جانتے نہیں کہ امان میں تو تمہاری جان ہے؟"

"نہیں ثمین! وہ نہیں جانتے وہ بالکل بھی نہیں جانتے وہ ...وہ اسے مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں...لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔" اس کی آواز میں ایکدم ہی چٹانوں کی سی سختی در آئی تھی۔

"مگر سارہ! تم خود ہی تو اماں کو پاکستان بھجوانے کا کہہ رہی تھیں۔" ثمین نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ہاں میں سمجھتی تھی میں اس کے بغیر رہ لوں گی ... مگر نہیں رہ سکتی، میں نہیں رہ سکتی ثمین... اور وہ بھکارن، چڑیل مجھ سے اماں کو بھی چھین لے گی۔ میں ...میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی اگراس نے اماں کی طرف دیکھا بھی تو... " اس کی سانس پھول گئی تھی اور آنسوئوں نے جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔

"ٹھیک ہے سارہ! مت بھیجنا تم اماں کو... بس تم اپنا خیال رکھو تم خود ٹھیک رہوگی تو اماں کا بھی خیال رکھ سکوگی نا! اب جلدی سے فریش ہو کر آئو، میں تمہارے لیے شیک لے کر آتی ہوں پھر دونوں بیٹھ کر خوب باتیں کریں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گے، بڑے دنوں سے تمہارے ساتھ محفل نہیں جمی یار!" ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے ہوئے ثمین نے اسے اٹھایا اور واش روم کی طرف بھیجتے ہوئے خود باہر نکل گئی۔ٹرے میز سے اٹھاتے ہوئے اسے اپنے فون کی بیپ سنائی دی۔

"جی مراد بھائی! کہاں ہیں آپ؟ میں آپ کے لیے اسٹرابری شیک لے کر آئی تو آپ غائب تھے۔" ثمین نے یہ ظاہر کیے بنا کہ وہ انہیں غصے کی حالت میں جاتے دیکھ چکی تھی ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"آپ کے ہاں سے جو عزت افزائی ہوئی، وہی کافی تھی اس لیے مزید ٹھہرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی پھر کچھ ضروری کام بھی نمٹانے تھے۔ خیر، آپ ایسا کیجیے گا کہ اماں کا ضروری سامان پیک کروادیجیے گا۔میں اسے ساتھ لے جارہاہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مراد بھائی! سارہ..." ثمین نے حیران وپریشان ہوتے ہوئے کہنا چاہا تھا مگر انہو ں نے درمیان میں ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں بھابی! آپ امان کو تیار کروا کر اس کا پاسپورٹ بھی نکلوادیجیے گا۔میں دو تین گھنٹے تک اسے پک کرلوں گا۔" اپنی بات ختم کرتے ہی انہوں نے فون بند کردیا تھا۔ثمین سرپکڑ کر وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"اب وہ کیا کرے...کیسے سارہ سے بات کرے...نہیں' سارہ سے یہ بات نہیں کی جاسکتی ...مگر..." شدید الجھن اور پریشانی میں ثمین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔پھر اس نے مراد شاہ سے ہی بات کرنے کی ٹھانی اور اٹھ کر دروازہ بند کرتے ہوئے ان کا نمبر ملایا۔بیل جارہی تھی مگر انہوں نے فون ریسیو نہیں کیا تھا۔ایک بار... دو بار بیل گئی تھی اور پھر لائن کاٹ دی گئی تھی۔ثمین چند لمحے خالی خالی نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی پھر بے چینی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے بہروز کو ساری صورت حال بتانی چاہیے۔اس کا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا اور وہ فوراً بہروز کا نمبر ملانے لگی۔تبھی باہر سے سارہ کی آواز آئی تھی

اور وہ تیزی سے موبائل فون رکھ کر باہر نکلی تھی۔پھر ٹھٹک کر وہیں دہلیز پر رک گئی تھی۔سارہ بے تابی کے ساتھ امان کو بھینچ بھینچ کر پیار کررہی تھی۔ ثمین کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"جانے کس کی نظر لگ گئی تھی اس کی پیاری سی نند کی خوشیوں بھری زندگی کو..." ثمین نے دکھی دل کے ساتھ اس کی متورم آنکھوں اور بے رونق چہرے کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سوچا۔یہ حقیقت تھی کہ وہ اسے بے حد عزیز تھی۔نند بھاوج والا رشتہ تو ان کے درمیان جیسے کوئی تھا ہی نہیں۔

وہ مونٹیسوری سے کلاس فیلوز اور دوست تھیں پھر بہروز ہاشمی سے محبت اور پھر شادی کے بعد یہ دوستی اورپختہ ہوگئی تھی کیونکہ یہ سارہ شاہ ہی تھی جس نے اس کی راہیں ہموار کی تھیں ورنہ بہروز تو نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی ماریہ کی زلفوں کا اسیر ہوچکاتھا لیکن سارہ نے وعدہ کیا تھا کہ اسے چاہے جو بھی کرنا پڑے لیکن یہ طے ہے کہ وہ بہروز کو اس انگریز حسینہ کے چنگل سے چھڑا کر رہے گی اوراس کی بھابی صرف ثمین ہی بنے گی۔اوراس نے اپنا

کہا سچ کر دکھایا تھا اور ہمیشہ ہی اس نے جو چاہا تھا پالیا تھا' مگر اب زندگی کے اس موڑ پر وہ کتنی شکستہ اور بے بس ہو کر رہ گئی تھی۔ثمین کا دل کٹنے لگا وہ آہستگی سے واپس مڑی اور موبائل فون اٹھا کر واش روم می

جاکر بہروز کو کال کرنے لگی وہ جلد از جلد بہروز کو ساری صورت حال سے آگاہ کردینا چاہتی تھی۔

...☆☆☆...

"السّلام علیکم شاہ جی! کیسے ہیں آپ... سارہ باجی مان گئیں نا؟ مجھے یقین تھااب ان کا غصہ ختم ہوگیاہوگا' وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہیں اور میں جانتی تھی کہ وہ ضرور مان جائیں گی کیونکہ محبت میں بڑی گنجائش ہوتی ہے۔" مراد شاہ کی کال ریسیو کرتے ہی وہ پرجوش لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوافضا' وہ فضا نہیں' سارہ ہے' جسے اپنے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا' خیر میں امان کو ساتھ لے کر آرہا ہوں ابھی کچھ دیر میں ڈرائیور امان کی آیا کو تمہارے پاس لے آئے گا۔تم اس کی مدد سے امان کے لیے کمرا تیار

کرلینا۔" انہوں نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے اسے جیسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا تھا۔فضا ان کی بات سن کر پہلے تو ہکابکا رہ گئی تھی لیکن جلد ہی اس نے اپنی اس کیفیت پر قابو پالیا۔

"شاہ جی خدارا! یہ جذبات میں آنے کا وقت نہیں ہے۔اس الجھے ہوئے معاملے کو انتہائی تحمل اور برداشت کے ساتھ سلجھانے کی ضرورت ہے' آپ خدارا کچھ بتائیں تو سہی کہ آخر ہوا کیا ہے؟" بے حد دھیمے اور ملائم لہجے میں اس نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرناچاہا تھا اور حیرت انگیز طور پر انہوں نے خود کو پرسکون محسوس کیا تھا۔پھرانہوں نے ساری بات اسے بتادی تھی اور وہ بجائے امان کے لیے فکرمند ہونے کے سارہ کے لیے فکرمند ہوگئی تھی اور مراد شاہ حیران رہ گئے تھے۔سارہ کی ذہنی کیفیت اور جذبات پر بات کرتی' اس کی حمایت میں دلیلیں دیتی اس لڑکی کے ظرف اور بڑائی نے انہیں جیسے کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا لیکن اس کی ساری باتوں اور دلیلوں کے باوجود وہ خود کو دوبارہ سارہ کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں کرپائے تھے۔ہاں انہوں

نے اتنا کیا تھا کہ ثمین کو فون کرکے اپنے جانے اور امان کو سارہ کے پاس ہی چھوڑنے کے بارے میں بتادیا تھا۔

اس رات فضا کو نیند نہیں آئی تھی۔وہ ساری رات بے چینی سے پورے گھر میں چکراتی پھری تھی۔دل بے حد بے چین تھا' روح مضطرب تھی۔کتنے عرصے سے اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھا نہیں تھا۔وہ جسے اس نے اپنے خون سے سینچا تھا لیکن دل بھر کے دیکھا بھی نہیں تھا اور کسی کو سونپ دیا تھا۔دل کیسے کیسے نہیں تڑپا تھا' روح نے کس کس طرح فریاد نہیں کی تھی لیکن اس نے دل وروح کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔

اس نے گیلی آنکھوں سے اس کی تصویر کو دیکھا اور بے تابی سے چوما' پھر بے اختیار سینے سے بھینچ لیا تھا۔

"میرے بیٹے! میرے دل کے ٹکڑے! کبھی یہ مت سمجھنا کہ تیری ماں کو تجھ سے محبت نہیں تھی۔محبت بہت تھی میرے بیٹے! بے حد تھی اور بھلا کون ماں ہوگی ایسی جسے اپنی اولاد سے محبت نہیں ہوگی' لیکن تیری ماں کسی

کی مقروض تھی اور یہ قرض اتارنا چاہتی تھی اس کے لیے خواہ دل کا خون کرنا پڑتا یا پھر ممتا کا۔" عجیب سی بے قراری کے عالم میں زیرلب کہتے ہوئے اس نے تصویر واپس رکھ دی تھی اور وضو کرنے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

...☆☆☆...

"فضا! تم میری بیوی ہو' میری ذات پر' میرے گھر پر جتنا حق سارہ کا ہے اسی قدر تمہارا ہے پھر آخر تم وہاں جانے سے گریزاں کیوں ہو؟" اس دن مراد شاہ نے بے حد الجھ کر اس سے پوچھا تھا۔ایک ماہ ہونے کو تھا انہوں نے ایک ماہ کے لیے ہی یہ گھر لیا تھا۔پھر اپنا گھر نوکروں پر چھوڑ کر وہ خواہ مخواہ یہاں کرائے پر رہتے تو یہ پاگل پن ہی تھا پھر وہ کوئی معقول وجہ بتاتی تو شاید وہ خود کو مطمئن کرپاتے لیکن وہ تو جیسے خود بھی وجہ نہیں جانتی تھی۔کم از کم مراد شاہ کو تو یہی محسوس ہوا تھا۔اسی لیے آج وہ کچھ الجھ کر پوچھ بیٹھے تھے۔

"شاہ جی دراصل بات یہ ہے کہ سارہ باجی کی غیر موجودگی میں‘ میں وہاں جانا نہیں چاہتی۔وہ آجائیں‘ میرے وجود کو تسلیم کرلیں‘ اس گھر میں میرے لیے اپنی مرضی سے تھوڑی سی جگہ نکالیں‘ یہ میری شدید خواہش ہے‘ کیا آپ میری یہ خواہش پوری نہیں کریں گے؟" اس کے دھیمے اور ملتجی لہجے پر وہ بے بسی سے اسے دیکھ کررہ گئے۔اب وہ اسے کیسے سمجھاتے کہ اس کی اس خواہش کا پورا ہونا تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔

"بس آپ کچھ عرصہ انتظار کرلیں مجھے یقین ہے کہ سارہ باجی مان جائیں گی۔" انہیں خاموش دیکھ کر اس نے بے حد اطمینان اور یقین بھرے لہجے میں کہا تھااور پھر جلدی سے اٹھی اور کچن کی جانب بڑھی۔

سیٹیاں بجاتی تندوتیز ہوا کا گرد آلود جھونکا اس کے شیشہ بند کرتے ہوئے بھی اندر گھس آیا تھا۔مراد شاہ نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں کیسے فوراً پتا چل گیا فضا کہ آندھی آرہی ہے؟" وہ واقعی بے حد حیران تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"مجھے الہام ہوتے ہیں‘ جیسے چند لمحے قبل مجھے الہام ہو رہا تھا کہ آپ مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں‘ ہیں نا۔‘ دسترخوان کھول کر ڈائننگ ٹیبل کے برتنوں کو پھیلاتے ہوئے وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں مسکرائی تھی۔

"صرف الہام! پوری جادوگرنی ہو تم اسی لیے تو اتنے لمبے چوڑے آدمی کو یوں اسیر کیاہے کہ تمہاری مرضی اور منشاء کے بغیر خود کو ملنے تک کے قابل نہیں پاتا۔" انہوں نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔وہ انہیں اتنا جانتی تھی کہ ان کااندر تک پڑھ لیتی تھی۔انہیں خود پر رشک آیا اوراس پر پیار۔

"کیا یہ اسیری آپ کوپسند نہیں ہے؟" اس نے ناز سے انہیں دیکھا۔

"پسند تو بہت چھوٹا لفظ ہے فضا! اب تو اس اسیری سے رہائی موت ہوگی۔" وہ یکدم بے حد سنجیدہ ہوگئے۔

"اللہ نہ کرے شاہ جی ! کیسی خوفناک باتیں کررہے ہیں۔" اس نے دہل کر کہا۔مراد شاہ نے دیکھا اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہاتھااور پھراس نے

آنکھیں بند کرلیں۔ہلتے لب بتارہے تھے کہ وہ دل ہی دل میں محومناجات تھی۔انہوں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

شوہر پر جان چھڑکنے والی،بن کہے اس کی ہر بات کو سمجھ لینے والی، گھربنانے اور سجانے والی ایک مکمل گھریلو عورت! شاید ایسی ہی عورت ان کا خواب تھی۔گائوں سے شہر آکر یونیورسٹی کی خوب صورت فیشن ایبل اور تیز طرار لڑکیوں کے درمیان رہتے رہتے وقتی طور پر وہ اس چکاچوند میں کھوگئے اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کے شانہ بہ شانہ اوراس معاشرے میں ان کے ساتھ چلنے والی ایک بے حد پڑھی لکھی اور خوب صورت لڑکی ان کا آئیڈیل ہے۔مگر سارہ شاہ کے ساتھ شادی کے کچھ ہی عرصے بعد ان کو احساس ہوگیاتھا کہ وہ خود کو ہی سمجھنے میں غلطی کربیٹھے تھے۔حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ان کی طبیعت میں رچ بس گیاتھا۔وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے اثر سے باہر نہیں آسکتے تھے، یہ تو سارہ کے ساتھ ان کی محبت اور فطرت میں رچی بسی شرافت تھی کہ وہ اتنے سال

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

خوش اسلوبی سے نباہ گئے تھے اور شاید ساری زندگی بھی گزار دیتے اگر وہ حادثہ فضا کوان کی زندگی میں نہ لے آتا۔

ایک لمحے کو اپنی حالت کاتصور کرکے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے تھے لیکن اگلے ہی پل مسکراہٹ ان کے لبوں پر مچل اٹھتی تھی۔چمکتی نگاہوں سے انہوں نے فضا کی جانب دیکھا۔تبھی اس کی نگاہ اٹھی اور انہیں یوں وارفتگی سے خود پر نگاہیں جمائے دیکھ کر وہ محجوب سی ہو کر مسکرادی۔

''اتنی محویت کے ساتھ کیا دعا مانگی جارہی تھی؟'' بے حد محبت بھری نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''دادی کہا کرتی تھیں آندھی کے وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کرام کے ساتھ مسجد کا رخ کرتے تھے۔اس لیے ہمیں بھی آندھی آنے پر اللہ سے خیروعافیت کی دعا کرنی چاہیے اور پھر آپ بھی تو آندھی سے زیادہ خوفناک باتیں کررہے تھے۔''

"اچھا بابا! اب نہیں کرتا' دیکھوتمہاری دعا سے آندھی ختم ہوگئی ہے اور بارش ہونے لگی ہے۔" دریچے سے ٹکراتی بارش کی بوندوں کی آواز پر انہوں نے خوشدلی سے کہا اور اٹھ کر ڈائننگ روم کے پردے سمیٹ دیئے۔

"میں نے ایک اور دعا بھی مانگی ہے شاہ جی ! وہ پوری ہوگئی ناتو بس سمجھئے فضا کی ساری خواہشیں پوری ہوگئیں۔" خوب صورت سی مسکراہٹ لبوں پر لیے وہ کہہ رہی تھی۔

"اچھا... وہ کون سی دعا ہے بھئی؟" انہوں نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

"وہ ...ابھی نہیں بتائوں گی۔"

"اور اگر میں کہوں' بتانی پڑے گی ..." انہوں نے مصنوعی تحکم کا مظاہرہ کیا۔

"تو میں بتادوں گی۔" اس نے اتنے آرام سے کہا تھا کہ بے اختیار مراد شاہ کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

"میں نے سارہ باجی کے لوٹ آنے کی دعا مانگی ہے شاہ جی! اور آپ دیکھیے گا یہ دعا ضرور پوری ہوگی ان شاء اللہ۔" مراد شاہ نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھراس کے چہرے پر یقین اور طمانیت دیکھ کر خاموش ہو رہے۔"کتنااچھا لگے گا ناشاہ جی! جب ہم سب اکٹھے رہا کریں گے۔آپ دیکھیے گا میں سارہ باجی کا بہت خیال رکھوں گی۔بڑی خدمت کروں گی ان کی' اس قدر محبت دوں گی انہیں کہ وہ خودبخود مجھے بڑی بہنوں کی طرح چاہنے لگیں گی۔" وہ پرجوش انداز میں کہہ رہی تھی۔

مراد شاہ جانتے تھے کہ وہ جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھ رہی ہے اور کھلی آنکھوں سے دیکھے خواب پورے نہیں ہوتے لیکن وہ اس خواب میں گم خوش تھی تووہ اسے خوش ہی رہنے دینا چاہتے تھے۔اسی لیے وہ خاموش ہی رہے تھے۔

...☆☆☆...

”وہ کبھی نہیں چاہے گی کی کہ میں واپس پلٹ آئوں۔یہ جو غریب اور مڈل کلاس لڑکیاں ہوتی ہیں‌نا بڑے طریقے ہوتے ہیں ان کے پاس ہماری کلاس کے مردوں کو قابو میں کرنے کے اور جال میں پھنسے ہوئے شکار کو بھلا کوئی اس آسانی سے چھوڑتا ہے؟اور یہ لڑکی فضا اس کے تو چہرے کے ایک ایک نقش سے ہی نحوست ٹپکتی ہے۔وہ دیکھنے میں ہی چڑیل لگتی ہے کی!“

بھلا سارہ شاہ نے فضا کو اتنے غور سے کب دیکھا تھا کہ وہ ایسا کہہ رہی تھی، مگر یہ اس کی فضا کے لیے شدید نفرت تھی، جس نے اس کے لہجے کو زہر آلود کردیا تھااور وہ اس قدر تعصب سے بول رہی تھی۔

”پھر کیا خیال ہے اس نحوست کو مراد بھائی کے سر سے اتارنہ دیاجائے۔“کی نے معنی خیز انداز میں کہا۔سارہ شاہ بری طرح چونکی۔کی اٹھ کر اس کے قریب آبیٹھی تھی اوراس کی طرف جھکتے ہوئے اسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانے لگی تھی۔

”نہیں نہیں کی! یہ تو بالکل غلط ہے۔انسانی جان لینا! اوہ میرے خدا!“سارہ شاہ کا دل بے تحاشا دھڑک رہا تھااور ٹھنڈے پسینے نے اس کی ہتھیلیاں نم کردی تھیں۔

”ٹھیک ہے تو پھر پڑی رہو یہاں اور عیش کرنے دو انہیں۔“ کی سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کی پلیز...!“ سارہ نے لجاجت سے اسے دیکھتے ہوئے اس کاہاتھ تھاما۔”میں کیا کروں کی! مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا...“ بے بسی لیے اس کابھرایا ہوا لہجہ کی کو طیش دلاگیا۔

”میرے خدا! سارہ ! تم اس قدر بزدل بھی ہوسکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی... میں تمہاری جگہ ہوتی تو حشر نشر کردیتی ان دونوں کا اور تم ... اس دو کوڑی کی لڑکی سے ہار مان کر یہاں چلی آئیں۔اورحلیہ دیکھا ہے اپنا...لگتا ہے کسی خطرناک بیماری کی مریضہ ہو۔“کی کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے سارہ کا دماغ درست کردے۔اسے ان پڑھ گنوار عورتوں کی طرح پل پل

میں اس کا آنکھوں میں آنسو بھر لانااور حالات سے شکست مان کر یہاں پڑے رہنا بالکل بھی برداشت نہیں ہورہا تھا۔وہ تو آج ہی فرانس سے آئی تھی اورسارہ کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

”کاش تم جان سکتیں ککی کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے؟“ اس نے بمشکل نچلا لب دانتوں تلے بھینچتے ہوئے سسکیاں روکی تھیں۔

”میں سب سمجھتی ہوں سارہ! اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ خود کو سنبھالو اور باقی سب مجھ پر اور بوبی پر چھوڑ دو۔بھول جاؤ کہ کوئی لڑکی فضا بھی تھی جو مراد بھائی کی زندگی میں آئی تھی۔“

ککی کے سپاٹ اور سرد لہجے پرچند لمحے سارہ شاہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی اور پھر ا نگلیوں کی پوروں سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اثبات میں سرہلادیاتھا۔

”شاباش۔“ ککی نے آہستگی سے اس کا گال تھپتھپایا۔’ ’ہم لوگ سری لنکا جا رہے ہیں دو تین ہفتے کا کام ہے وہاں‘ جونہی شوٹنگز ختم ہوں گی‘ ہم پاکستان

چلے جائیں گے۔جاتے ہی سب سے پہلے تمہارا یہی کام کریں گے تب تک تم اپنے اس بدحال حلیے کوٹھیک کرو... اگلی بار تم سے ملتے ہوئے میں تمہیں اسی پرانی سارہ شاہ کے روپ میں دیکھنا چاہوں گی جسے میں جانتی ہوں‘ سب جانتے ہیں‘ اس سارہ شاہ بلکہ سارہ تباہ کو نہیں...اوکے۔“ککی نے انگلی اٹھاتے ہوئے کہااور سارہ شاہ بے دلی سے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلانے لگی۔

پھر کچھ دیر بیٹھ کر ککی تو چلی گئی لیکن سارہ شاہ کو کچھ اور مضطرب کرگئی تھی۔مانا کہ اسے فضا سے بے حد نفرت تھی مگر اس ساری نفرت کے باوجود وہ شاید یہ انتہائی قدم اٹھانے پر کبھی آمادہ نہ ہوتی اگر اسے مراد شاہ سے دور آکر یہ احساس نہ ہوتا کہ وہ اس سے بے تحاشا محبت کرتی ہے اور ساری زندگی یوں اس سے دور رہ کر نہیں گزار سکتی اور مراد شاہ کی زندگی میں دوبارہ جانے کے لیے‘ اس کی محبت پھر سے پانے کے لیے ضروری تھا کہ فضا کا وجود درمیان سے ہٹ جاتا۔

...☆☆☆...

"رجو! یہ خط انور کو دے آئو کہ ابھی پوسٹ کردے۔" فضا نے گلابی لفافہ اور پانچ سو کانوٹ رجو کوتھماتے ہوئے تاکید کی۔

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ!" رجو نے خط اس کے ہاتھ سے لیا اور چور سی نگاہ بیگم صاحبہ پر ڈالتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"واہ میرے مولا' صدقے جائوں تیری شان کے...بیٹھے بٹھائے ای موجیں کرارہا ہے۔" انور نے نوٹ کو چومتے ہوئے خط جیب میں ڈال لیا۔

"دیکھ انور ہم یہ اچھا نہیں کررہے... چھوٹی بیگم صاحبہ کتنی اچھی ہیں ہمارا کتنا خیال رکھتی ہیں' بس آج تو جااور یہ خط پوسٹ کرکے آ۔" رجو نے ملامت بھرے انداز میں انور کو دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔

"پاگل ہوئی ہے؟ اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارلوں؟ یہ سارے عیش تب تک ہیں جب تک بڑی بیگم صاحبہ امریکا میں بیٹھی ہیں...انہوں نے آتے ہی چھوٹی بیگم صاحبہ کا تو سمجھو پتہ ہی صاف کردینا ہے اور ہم دونوں پھر وہی گھن چکر بن کر رہ جائیں گے ایک آرہا ہے تو ایک جارہا ہے' سارا دن بس

چاکری ہی کرتے رہو۔ہر وقت چولہوں کے سامنے کھڑے رہ رہ کر میرا تو رنگ ہی جھلس کررہ گیا تھا۔اب دیکھو..."انور نے بڑے پیار سے اپنے گالوں پرہاتھ پھیرا۔

"مزے تو واقعی میں بڑے ہیں' پر یہ بھی تو دیکھ کہ چھوٹی بیگم صاحبہ بچاری کتنی محنت سے ہر دوسرے دن چٹھی لکھتی ہیں' پھر ذرا سی گیٹ کی بیل بجتی ہے تو اتنی آس سے گیٹ کی جانب دیکھتی ہیں اور پتا ہے آج تو اتنا دل دکھا میرا..." رجو سچ مچ رنجیدہ ہوگئی۔"صبح جب پوسٹ مین بے بے کاخط لے کر آیا نا تو چھوٹی بیگم صاحبہ لائونج میں تھیں ان کی نظر پڑگئی تیزی سے مجھے آواز دی' خوشی سے مانو کھلی پڑرہی تھیں۔میں حیران تھی' وہ تو جب انہوں نے کہا رجو بھاگ کر جا' دیکھنا سارہ باجی کا خط ہوگا' تب مجھے سمجھ آئی کہ وہ کیوں اتنی خوش ہو رہی ہیں' دیکھ انور بس تو یہ چٹھی ڈال کر آ۔" رجو بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

"چل چل زیادہ بکواس مت کر،میرا دماغ خراب نئیں اے اور خبر دار جو دوبارہ الٹی سیدھی بکواس کی ورنہ منہ توڑ کر رکھ دوں گا۔بڑی آئی ہمدردیاں کرنے والی۔" وہ ایکدم ہتھے سے اکھڑ گیا تھااور شوہر کو اتنے غصے میں دیکھ کر رجو بھیگی بلی بنی اندر کی طرف مڑ گئی۔

اگلے دن صبح موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔مراد شاہ کی فرمائش پر فضاپراٹھے بنارہی تھی، تہہ در تہہ پرت والے پراٹھے، دیسی گھی کی خوشبو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور فضا کو دادی بے تحاشا یاد آرہی تھیں۔گزرے بے شمار ماہ وسال یاد آرہے تھے۔جب پراٹھا کھانے کو دل چاہتا تھا تو دادی سے فرمائش کرنے سے پہلے بیسیوں مرتبہ سوچنا پڑتا تھا۔

"فضا یار! کیا خوشبو آرہی ہے مجھے تو اپنا بچپن یاد آگیا ہے۔کیا زبردست پراٹھے بناتی تھیں اماں جی۔" مراد شاہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے بولے تھے اور فضا حیران رہ گئی تھی لیکن پھر اسے اپنی یہ حیرانی بے معنی محسوس ہوئی

تھی۔جن چیزوں سے یادیں وابستہ ہوں انہیں دیکھ کر وہ یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔

"شاہ جی ! کل اتوار ہے، کیوں نہ ہم لوگ اماں بی کے پاس چلنے کا پروگرام بنائیں؟"فضا نے بڑے پرشوق لہجے میں پوچھا۔مراد شاہ دو تین بار اماں بی کے پاس چلنے کاپروگرام بنا کر ملتوی کرچکے تھے۔

"ہاں، دیکھتے ہیں۔"

فضا نے غور کیا انہوں نے کچھ زیادہ دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود ناشتے کے دوران اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تو پھر ذرا سے توقف کے بعد خود ہی آگے بات شروع کردی۔

"ایک عجیب بات ہے شاہ جی، میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ ایک چیز جو کسی کے لیے بے حد اہم ،بہت قیمتی اور بہت خاص ہوتی ہے، وہی چیز جس کے پاس موجود ہو اسے اس کی قدروقیمت کا احساس ہی نہیں ہوتا۔میں نے ماں کی محبت نہیں دیکھی لیکن میرا دل اس محبت کے لیے ترستارہا ہے۔میں

سوچتی ہوں کیسی ہوگی اس ہستی کی محبت جس کی مثال خود اللہ پاک نے دی ہے کہ میں تمہیں ستر ماؤں سے

زیادہ پیار کرتا ہوں‘ یعنی محبت کے شدید احساس کو ماں کی ممتا کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔کتنا رتبہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ماں کا اوراسی ماں کو آج کی اولاد کیا رتبہ دیتی ہے؟ اس ماں کو جو اپنے منہ کانوالہ بھی اپنے بچوں کو کھلا دیتی ہے۔خود ہر تکلیف سہہ لیتی ہے لیکن اولاد کو حتی الوسع آرام اور آسائشیں دینے کی کوشش کرتی ہے۔“ وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہتے ہوئے چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی۔”اولاد کے پاس ماں کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا‘ ان چند ہفتوں میں کتنے خط آئے ہیں آپ کے خانساماں کی بے بے کے ہر خط میں بس مل جانے کی خواہش کا اظہار کیا ہوتا ہے اور وہ ہے کہ اس کو پرواہی نہیں اور اسی طرح آپ بھی ...“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی اور تاسف بھرے انداز

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں انہیں دیکھنے لگی تھی جبکہ مراد شاہ اس کی نگاہوں سے بے خبر اپنے تصور کے ساتھ ساتھ کہیں دور جانکلے تھے۔

جب فضا ان کی طرف سے مایوس ہوگئی تھی تو انہوں نے اسے تیاری کرنے کے لیے کہا تھا۔بارش رکتے ہی انہیں گائوں کے لیے روانہ ہونا تھا۔فضا کا دل مارے خوشی کے بلیوں اچھل رہا تھا۔آخر کو وہ ایک ماں سے اس کابیٹا ملوانے لے جارہی تھی۔کیا خبراللہ کو اس کی یہ ادا پسند آجائے اوراس کاامان بھی اس سے آن ملے۔سارہ شاہ کا دل پسیج جائے۔آنکھوں میں پھیلتی نمی کو ہتھیلی سے صاف کرتی ہوئی وہ اپنے اور مراد شاہ کے کپڑے نکالنے لگی تھی۔قدرت بھی اس کی ہم نوائی پرآمادہ تھی کہ کچھ ہی دیر مینہ برس کر مطلع صاف ہوگیاتھا۔ہلکی ہلکی دھوپ اور ہوا کے ٹھنڈے جھونکے موسم کو بے حد خوشگوار بنارہے تھے۔فضا نے جلد ہی ضرورت کی ساری چیزیں پیک کرلیں جبکہ مراد شاہ نے کچھ فون کیے اور یوں دو تین گھنٹوں کے بعد وہ گائوں کے لیے رواں دواں تھے۔مراد شاہ جو پہلے کچھ سنجیدہ سے نظر آرہے تھے اب ان کا موڈ بھی

خوشگوار ہوگیا تھااور وہ دھیرے دھیرے فضا کو اپنے گھر والوں کے بارے میں بتا بھی رہے تھے۔

دن کا پنچھی دور افق کے پار اپنے بسیرے میں لوٹ رہا تھا جب ان کی گاڑی اس حویلی نما گھر کے گیٹ پر رکی تھی۔فضا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

”پتا نہیں اس کا استقبال کس طرح ہوگا‘ کہیں ایسا نہ ہو کہ ...“ ذرا سی سوچ کو ذہن میں جگہ دیتے ہی طرح طرح کے واہمے اور وسوسے فوراً اس کے دل میں گھر کرنے کو لپکے تھے لیکن فضا نے فوراً ہی سر جھٹکتے ہوئے سارا دھیان سامنے غروب ہوتے سورج پر مرکوز کردیا تھا۔جو بے حد اچھا لگ رہا تھا۔

”فضا! تم گاڑی میں ہی بیٹھنا... میں پہلے تمہارے بارے میں اماں بی کو بتادوں گا۔“ مراد شاہ نے ہارن دیتے ہوئے فضا سے کہا اور اس نے آہستگی سے اثبات میں سرہلادیا۔

گیٹ کھلنے کی آواز پر فضا کی تمام تر حسیات اندر کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔ کھچڑی بالوں اور بے ترتیب سی سفید اور کالی داڑھی والے ملازم نما شخص نے

گیٹ کھولا تھااور مراد شاہ پر نظر پڑتے ہی خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔کہاں تووہ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں گیٹ کھول رہا تھا اور اب جیسے اس کے جسم میں بجلی سی بھرگئی تھی۔تیزی سے اندر جاکر اس نے گیٹ کھولا اور ماتھے پر ہاتھ رکھ کر سلام کیااور تیز تیز قدموں سے اندر چلا گیا۔گاڑی سرخ پختہ روش کو عبور کرکے ایک قدرے اونچے برآمدے کے سامنے کھڑی کرکے مراد شاہ گاڑی سے اترے ہی تھے کہ اندر سے سفید براق دوپٹے اور ہلکے آسمانی رنگ کے لان کے سوٹ میں ملبوس‘ مسرت سے نہال‘ ہانپتی کانپتی اماں بی برآمد ہوئی تھیں۔خوشی سے نم ہوتی آنکھوں اور کپکپاتے لبوں کے ساتھ وہ مراد شاہ کو چوم رہی تھیں‘ ڈھیروں دعائیں دے رہی تھیں۔فضا کا دل مامتا کے اس مظاہرے کو دیکھ کر بے حد گداز ہورہا تھا۔وہ بھی تو ایک ماں تھی اور کب سے اپنی اولاد کو سینے سے لگانے کے لیے ترس رہی تھی لیکن وہ مایوس نہیں تھی اس کے دل میں بے حد وسعت تھی‘ خلوص تھا‘ محبت تھی اور اسے اپنے اللہ پر بے حد بھروسا تھا کہ وہ بے حد رحیم ہے۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھوں میں آتی نمی کو صاف کیا اور اماں بی کو دیکھتے

ہوئے ایک الوہی سی خوشی کو اپنے دل میں اترتے محسوس کیا تھا۔مراد شاہ ان کے کندھے پر بازو پھیلائے' انہیں ساتھ لگائے اندر کی طرف بڑھ گئے تھے۔ فضا ادھر ادھر نظر دوڑانے لگی۔خوب صورت موڑھوں سے ہٹ کر اس کی نگاہ آموں کے ڈھیروں ٹوکروں پر پڑی تھی' پیلے پیلے صاف وشفاف 'چمکتے ہوئے آم بے حد اچھے لگ رہے تھے۔

"یقیناتازہ تازہ اتار کر لائے گئے ہیں' مگر اتنے ڈھیر سارے شاید کہیں منڈی وغیرہ پہنچانے ہیں..." اس نے دل چسپی سے دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔تبھی مراد شاہ اور بی اماں کے ساتھ ایک اونچی لمبی سرخ وسفید خاتون تیل کی بوتل تھامے' داخلی دروازے سے باہر آئی تھی۔فضا نے کچھ جزبز سی ہوتے ہوئے انہیں دیکھا تھااور پھر جھجکتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کرباہر نکل آئی تھی۔ دونوں خواتین بڑی گرمجوشی سے فضا سے ملی تھیں۔اماں بی کے سینے سے لگتے ہوئے' ان سے دعائیں لیتے ہوئے بے اختیار فضا کا دل بھرآیا تھا۔اس نے ماں کی آغوش کا لمس بھی محسوس نہیں کیا تھا لیکن اس کے باوجود اسے لگ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رہاتھا جیسے ان کے وجود سے انوکھی خوشبو پھوٹ رہی ہو۔ان کے نرم گرم لمس میں عجیب سی حرارت تھی۔اماں بی نے دروازے کی دہلیز کے اطراف میں تیل ڈالا تھا ' اس کے سر پر سے روپے وار کر پاس کھڑی ملازمہ کو پکڑائے اور وہ خاتون جو اس کی جیٹھانی تھیں' اسے تھامے اندر کی طرف بڑھی تھیں۔ایسی پزیرائی' اس طرح کے استقبال کی تو اسے ذرہ برابر بھی توقع نہیں تھی خوشی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے چور نگاہوں سے مراد شاہ کی طرف دیکھا جو پہلے ہی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔اسے متوجہ پاکر دلکشی سے مسکرائے۔کچھ ہی دیر میں مراد شاہ کی بہنیں مع اپنے شوہروں اور بچوں کے آگئی تھیں۔وہ بھی فضا سے والہانہ انداز میں ملی تھیں۔

"کرم دین! چلو جلدی سے مرغیاں ذبح کرو میرے بچوں کو بھوک لگی ہوگی۔" اماں بی کو فوراًان کے کھانے پینے کی فکر ہوئی۔

بڑے سے صحن میں ایک طرف دیوار کے ساتھ آڑو، انار اور بادام کے درخت لگے ہوئے تھے جبکہ دوسری دیوار کے ساتھ جو سرسبز وشاداب بیلوں کے ساتھ ڈھکی ہوئی تھی، کیاریاں بنا کر پودے لگائے گئے تھے۔

ذرا سی دیر میں صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرکے رنگین پایوں والی بڑی بڑی نواڑ کی چارپائیاں بچھادی گئی تھیں، جن کے اوپر بے حد نفیس کڑھائی والی سفید چادریں بچھی بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ہرسو پچھلی رات کی رانی کی مہک اور مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور اتنی بے تحاشا محبتیں اور چاہتیں فضا کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ جنت میں آگئی ہو۔دل چاہتاتھا وہیں کچی مٹی پر جبیں ٹیک دے اور اپنے اللہ کاشکر ادا کرے جو اسے اس کی اوقات سے زیادہ نوازتا جارہاتھا۔دادی کے پاس ہوتے ہوئے جب وہ صبح صبح انہیں بڑے جذب کے عالم میں سورۂ رحمن کی اس آیت:

”اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤگے۔“

کو بار بار پڑھتے اوراس کاترجمہ کرتے سنتی تو سوچتی، پتا نہیں دادی کے نزدیک کون سی چیز بہت بڑی نعمت ہے، اسے تو اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی تھی۔اور ایک بار جب اس نے یہی سوال دادی سے کیاتھا تووہ اسے اپنے ساتھ باہر بڑی سڑک پر لے گئی تھیں۔جہاں دونوں پاؤں سے معذور ایک نابینا فقیر لکڑی کی ریڑھی میں پڑا تھا۔

”اللہ اگر چاہتا تو مجھے یا تمہیں بھی اس شخص کی جگہ پر ڈال سکتا تھافضا بیٹی، لیکن اس نے ہمیں یہ دوپاؤں دیئے جن سے چل کر ہم جہاں جانا چاہتے ہیں، جاتے ہیں اور یہ دو آنکھیں جن سے ہم ربّ کی بنائی ہر چیز کو دیکھتے ہیں کیا اس سے بڑی کوئی اور نعمت ہوسکتی ہے؟“

”نہیں ہرگز نہیں۔“فضا کا دل پکار پکار کر کہہ رہاتھا۔

دادی نے بچپن سے ہی شکر گزاری کاجذبہ یوں اس کے دل میں بھردیاتھا کہ پھر ساری زندگی کسی چیز کی کمی نے اسے اگر کبھی تنگ بھی کیا تو یونہی وقتی

طور پر اوراب تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے اللہ کی ان ساری نعمتوں کا شکر کیسے ادا کرے۔

رات کو مراد شاہ کے سونے کے بعد وہ آہستگی سے اٹھی اور وضو کرکے جائے نماز پر آکھڑی ہوئی تھی۔آنسو اک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔شکرانے کے دو نفل ادا کرنے کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ان بہتے آنسوئوں میں کچھ اور روانی آگئی تھی۔اس کے پاس الفاظ نہیں تھے جن سے وہ اپنے ربّ کاشکر ادا کرسکتی۔وہ فضا جس نے اپنی بوڑھی دادی کے ساتھ ایک ٹوٹے پھوٹے سے کمرے میں زندگی گزاری تھی۔اس چھوٹے سے گھر میں کبھی کرایے کی فکر ہوتی تو کبھی راشن پانی کی ... وہ فضا جو لوگوں کے خوف سے ہر وقت گھر ہی میں مقید رہا کرتی...وہ فضا جو اپنا پڑھنے کا شوق پھٹے پرانے اخباروں اور ردی والے سے پرانی کتابیں اور رسالے لے کر پورا کرتی تھی۔وہ فضا جو دادی کی وفات کے بعد بالکل تنہا بے آسرااور بے گھر تھی، اس پراللہ یوں مہربان ہواتھا کہ اسے فرش سے اٹھا کر

عرش پر بٹھادیاتھا۔وہ کیسے اپنے اللہ کاشکرا دا کرتی اور کس کس نعمت کاشکر ادا کرتی، الفاظ نہیں تھے بس شکر کے آنسو تھے جو اک تواتر سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

اگلے دن گھر میں بے حد چہل پہل تھی۔اس کی تینوں نندیں اور بی اماں سب بے حد مصروف نظر آرہی تھیں۔اس نے بی اماں سے پوچھا تووہ خوشدلی سے مسکرائیں۔

’’ارے میری بھولی دھی رانی شام کو برادری کے کچھ نزدیکی لوگوں کو کھانے پر بلایا ہے میں نے ’آخر کو میری بہورانی آئی ہے‘ میرے مراد کی دلہن، میرے امان کی ماں، سب سے نہیں تو قریبی رشتے داروں سے تو ملوائوں گی تمہیں...‘‘ وہ کہہ رہی تھیں اور فضا کا ذہن’’میرے امان کی ماں‘‘ کے لفظوں ہیںاٹک کررہ گیاتھا۔دل میں اک عجیب سی خوشی ہلکورے لینے لگی تھی۔لیکن صرف چند لمحوں کے لیے ...پھرایک عجیب سے ملال نے اس کے دل میں سراابھارا تھا۔

"بھلا شاہ جی کو انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔یہ انہوں نے اچھا نہیں کیا..." اس نے تاسف سے سوچا تھا۔جب یہی بات اس نے مراد شاہ سے کہی تووہ چند لمحے حیرانی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔پھر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

"یہ حقیقت ہے فضا' اور حقیقت کبھی چھپتی ہے نہ خواہ مخواہ اسے چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسری بات یہ کہ یہ تمہارا حق ہے۔تمہیں اپنا حق لینا بھی آنا چاہیے اور اس کی قدروقیمت بھی معلوم ہونی چاہیے۔" انہوں نے آخری جملے پر خاصا زور دیتے ہوئے کہا۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتے ہوئے بھی خاموشی سے انہیں دیکھ کررہ گئی تھی۔وہ شاید انہیں اپنے دل کی کیفیت نہ سمجھا پاتی جو پہلے ہی اتنا کچھ پاکر اس قدرسرشار تھا کہ شکر کے لیے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔وہ حق جو اس نے کسی کو سونپ دیا تھا' جسے انعام سمجھ کر کسی نے سینے سے لگالیا تھا' اعزاز سمجھ کر ماتھے پر سجالیا تھا' اسے واپس لے کر کیاوہ ایسی مسرت وسرشاری سے رہ پاتی۔

"نہیں...کبھی نہیں۔" اس نے سوچا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھوڑے تھوڑے کہتے بھی کافی رشتے دار جمع ہوچکے تھے۔کھانے کاانتظام قالینوں پر سفید چادریں اوران کے اوپر دسترخوان بچھا کر کیا گیاتھا۔فضا کو سب سے زیادہ جو بات پسند آئی تھی وہ مردوں

اور عورتوں کاعلیحدہ انتظام تھا' ورنہ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ مراد شاہ کے حلقۂ احباب کی طرح یہاں بھی مردوں کااکٹھا ہی انتظام ہوگا۔خواتین اشتیاق اور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں اور بی اماں فخر سے اس کاتعارف کروارہی تھیں۔

میرے مراد کی دلہن! امان کی ماں۔"

وہ شاہ جی کی بیوی تھی' کیااس کا صرف یہ تعارف کافی نہیں تھا۔"شاید نہیں...یقینا نہیں۔"

پل میں ہی اسے ہر طرف سے امان کے نام کی گردان سن کر یہ ادراک ہوگیا تھا۔

...☆☆☆...

"ہائے مسز مراد آپ تو پہچانی نہیں جارہیں' کیا بیمار رہی ہیں آپ؟" مسز احراز نے بے حد حیرانی سے سارہ شاہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔اس دلدوز حادثے کے بعد آج پہلی بار وہ کسی تقریب میں آئی تھی اور وہ بھی خود پرانتہائی جبر کرکے صرف امان کی خاطر' اس کے دوست کی سالگرہ تھی۔

شازب کی والدہ کے ساتھ سارہ شاہ کی بھی' اسکول میں چند ایک بارملاقات ہوچکی تھی۔اس نے اسے بھی مدعو کیا تھا اور نہ صرف مدعو کیا تھا بلکہ خاصا اصرار بھی کیا تھا۔اس لیے مجبوراً سارہ شاہ کو آنا پڑا۔لیکن اب یہاں آکر وہ پچھتارہی تھی کہ اس تقریب میں کچھ اور جاننے والے بھی مل گئے تھے۔ ہر شخص اسے دیکھ کر حیران تھااوراس کی صحت کے بارے میں استفسار کررہاتھا۔سب کومطمئن کرتے کرتے سارہ شاہ خود سخت اضطراب کا شکار ہوگئی تھی۔جی چاہتاتھا چپکے سے اٹھ کر یہاں سے غائب ہوجائے لیکن ایسا بھی نہیں کرسکتی تھی۔بہت دنوں کے بعد امان کے چہرے پرخوشی واطمینان کے رنگ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نظر آرہے تھے۔اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ وہ خوب مزے کررہاتھا۔وہ اس کی اس معصوم سی خوشی کو اپنے اضطراب کی نذر نہیں کرسکتی تھی۔اس لیے لبوں پر زبردستی کی مسکراہٹ پھیلائے خود پر خوش وخرم ہونے کامصنوعی خول چڑھائے وہاں موجود تھی لیکن اپنی وہاں موجودگی پر اسے اس وقت سخت پچھتاوا ہوا تھا جب اس نے شاہد خان اور روبینہ شاہد کو ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

روبینہ شاہد کے والدین پاکستان میں سارہ شاہ کے گھر کے قریب ہی رہتے تھے۔" یقینا انہیں اب تک مراد شاہ کی دوسری شادی کی خبرمل چکی ہوگی۔"

انتہائی بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے سارہ شاہ نے سوچا اور اضطرابی انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ چپکے سے ان کی نگاہ سے بچ کر ہال سے نکل جائے لیکن کامیاب نہیں ہوئی۔انہو ں نے اسے دیکھ لیا اوردیکھتے ہی تیزی سے ہاتھ ہلایا۔سارہ شاہ نے کبھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس وقت کررہی تھی۔

"ہائے سارہ! کیسی ہو ڈیئر؟" چند لمحوں بعد وہ اس کے گال پر بوسہ دیتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک...تم لوگ توانڈیا گئے ہوئے تھے نا! کب واپس آئے؟" سارہ نے بھی جواباً حتی الوسع خوشدلی کا مظاہرہ کیا۔

"ہمیں آئے تو کافی دن ہوگئے ہیں تمہاری طرف چکر لگانا تھا ہم لوگوں کو، لیکن نومی کو ٹائیفائیڈ ہوگیاتھا۔اس وجہ سے بے حد پریشان رہے۔"

" ہیلو مسز مراد... کیسی ہیں آپ؟" شاہد خان بھی قریب چلے آئے۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"مسز مراد! انتہائی افسوس ہوا ہم سب کو آپ جیسی بیوی کی موجودگی میں یہ اقدام ... سراسر پاگل پن ہے ہمیں تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ مراد شاہ ایسا کرسکتے ہیں، اور اگر ضرور شادی کرنی ہی تھی تو آپ کی ٹکر کی خاتون تو لاتے لیکن سچ ہے کہ دل آنے لگے تو گدھی پر بھی آجاتا ہے۔" وہ حلق پھاڑ کر ہنسے۔

سارہ شا ہ کو اپنے وجود کو سنبھالے رکھنا مشکل ہوگیاتھا۔اس کاسارا وجود ،تمام طنطنہ جیسے کسی نے خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔وہ فق ہوتے چہرے کے ساتھ لب چباتی ہوئی خود پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔شرمندگی اور ندامت کیسے منہ چھپانے پرمجبور کرتی ہے یہ اسے آج پتا چلا تھا، تحقیر کسے کہتے ہیں... ذلت کیا ہوتی ہے... یہ بھی اس نے اسی پل جانا تھا... دل چاہتاتھا بنا کسی کی طرف دیکھے بھاگتی ہوئی یہاں سے دور چلی جائے یاپھر زمین پھٹے اور اس میں ساجائے۔شاہد خان نے یوں بھری محفل میں اسے تماشا بنا کر جانے کس جنم کابدلہ لیا تھا۔سب جاننے والے شاہد خان کی آواز سن کر اس کے قریب آچکے تھے اور اب اپنے اپنے انداز میں ہمدردی اور تاسف کااظہار کررہے تھے۔مسز احراز نے سارہ شاہ کے بے تحاشا سرخ چہرے اور جلتی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے دل میں اس کے لیے ہمدردی کے جذبات امڈتے محسوس کرتے ہی فوراً آگے بڑھی تھیں۔

"مسز مراد! شاید آپ کا سیل بند ہے۔میرے گھر کے نمبر پر مراد صاحب کی کال ہے'کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بڑی اپنائیت سے سارہ کو اس مجمع سے نکال کر اندر اپنے بیڈروم میں لے آئی تھیں۔

"مسز احراز آپ...!" مارے ممنونیت کے لفظ سارہ کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے تھے اور وہ ان کا ہاتھ تھام کر بے تحاشا رودی تھی۔کیسا دن تھاآج جب وہ ایک سے ایک نئے احساس سے دوچار ہو رہی تھی۔ہر چیز کو' ہر جذبے کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرنے والی سارہ شاہ مسز احراز کی اس اپنائیت پر ممنون ہو رہی تھی۔پھر بہت دیر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے روتی رہی تھی اور مسز احراز اسے ساتھ لگائے چپ کرانے کی کوشش کرتی رہی تھیں۔

"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو تھوڑی دیر میں یہاں آرام کرلوں؟ آپ اپنے مہمانوں کو دیکھ لیں' طبیعت ذرا سی سنبھلتے ہی میں چلی جاؤں گی۔آپ پلیز

امان کو تقریب کے بعد چھوڑوادیجیے گا۔معذرت چاہتی ہوں آپ کو بے حد تکلیف دی۔" سارہ شاہ نے رک رک کر کہاتھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں مسز مراد! آپ فکرنہ کریں میں سنبھال لوں گی۔" مسز احراز نے فوراً اس کاہاتھ تھام کر تسلی دی۔

پھرجب وہ گھر پہنچی تو شازمہ بھابی آئی ہوئی تھیں۔سارہ شاہ مرے مرے قدموں سے سٹنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔جتنا اس وقت وہ کسی سے بھی سامنا ہونے سے بچنا چاہتی تھی اتنا ہی کرنا پڑرہاتھا۔

"کیسی ہو سارہ! کبھی ہماری طرف بھی آجایا کرو۔وہ بھی تمہارے بھائی کا گھر ہے کئی مرتبہ فون کیا مگر ثمین نے بتایا کہ تم سو رہی ہو۔"اس سے گلے ملتے ہوئے وہ خلوص سے کہہ رہی تھیں۔

بے اختیار سارہ شاہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"کیا بات ہے سارہ! "ثمین اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی بری طرح پریشان ہوئی تھی۔"سارہ تم روتی رہی ہو... اورامان کہاں ہے؟"

اس کے سرخ چہرے اور متورم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے یکدم کسی انہونی کے خیال سے متوحش ہوتے ہوئے اس نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ وہیں ہے مسز احراز اسے چھوڑ دیں گی۔میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' اس وجہ سے میں چلی آئی۔" جانے کیسے دلی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے جملہ مکمل کیا تھا۔ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کرروئے۔کیسا وقت آگیاتھا کہ ہمیشہ ہنستے رہنے والی سارہ شاہ کو ہر وقت رونا آنے لگا تھا۔لبوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے تیز تیز قدموں سے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تو شازمہ بھابی اور ثمین فکرمند سی اس کے پیچھے آئیں اور اسے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر بری طرح پریشان ہوگئی تھیں۔

"سارہ پلیز! کچھ بتائو تو سہی' ہوا کیا ہے؟" ثمین نے اس کے گرد بازوحمائل کرتے ہوئے دل گداز لہجے میں پوچھا تھا۔شازمہ بھابی بھی ہمدردی سے اسے دیکھتی قریب آبیٹھی تھیں۔سارہ نے سسکیوں پر قابو پانے کی سعی کی تھی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیکن ناکام رہی تھی۔وہ اس وقت تنہائی چاہتی تھی' کھل کر رونا چاہتی تھی' مگر...

"سارہ!" شازمہ بھابی نے دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پکارا تھا۔

"کیا اب میں دل چاہنے پر رو بھی نہیں سکتی...؟" یکدم اس نے کھولتے دماغ سے سوچا۔

"بھابی خدارا مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔" ایک دم اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا اوربیڈ پر گرتے ہوئے تکیے میں منہ چھپالیا۔ثمین نے بے بسی سے شازمہ بھابی کی طرف دیکھا پھر ان کے اشارے پر اٹھ کھڑی ہوئی تھی دونوں اس کی گھٹی گھٹی سسکیوں پر دل ہی دل میں کڑھتے ہوئے کمرے سے نکل آئی تھیں۔

"کیا حال کرلیا ہے سارہ نے اپنا..." کئی لمحوں کی خاموشی کے بعد شازمہ بھابی نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"بہت سمجھاتی ہوں بھابی لیکن..." ثمین بے حد افسردہ تھی، سارہ کی دبی دبی آوازیں اس کے دل کو بے چین کررہی تھیں۔

"المیہ بھی تو بہت بڑا ہوا ہے اس کے ساتھ... آہستہ آہستہ ہی سنبھال پائے گی خود کو، ابھی توشکر ہے یہاں ہے، جہاں کسی کو دوسرے کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی عادت نہیں ورنہ اگر پاکستان میں ہوتی تو اب تک پاگل ہی ہوچکی ہوتی۔"

"اللہ نہ کرے بھابی!" بے اختیار ثمین کے منہ سے نکلا۔شازمہ بھابی نے تو ایک عام سی بات کی تھی لیکن ثمین کو وہ بے حد ناگوار گزری تھی اور شازمہ نے بھی یہ بات محسوس کرلی تھی۔

"ثمین بے شک سارہ تمہاری دوست ہے، تمہارے اس سے دو دو رشتے ہیں یقینا تمہیں وہ زیادہ پیاری ہوگی لیکن کچھ کم عزیز وہ ہمیں بھی نہیں۔" شازمہ بھابی نے فوراً کہااور کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا تھا۔یہ حقیقت تھی کہ وہ دونوں بہنیں بھی سارہ شاہ کو بے حد عزیز رکھتی تھیں۔وہ فطری سی رقابت جو عموماً

اس رشتے میں پائی جاتی ہے، انہوں نے کبھی اپنے درمیان پنپنے نہیں دی تھی۔اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے شوہر اپنی اکلوتی بہن کو بے حد چاہتے تھے ان دونوں بہنوں نے والد کی وفات کے بعد بھابیوں کابہت برا روپ دیکھا تھا، بہت تکلیفیں سہی تھیں تب انہوں نے اپنے آپ سے عہد کیاتھا کہ اپنی زندگیوں میں وہ اس رشتے کو مثالی بنائیں گی، اور اپنا یہ عہد انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا تھا۔

"معذرت چاہتی ہوں بھابی! میرا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ثمین نے برملا اعتراف کیا۔

"ہم لوگ توا بھی پاکستان سے ہو کر آئے ہیں، بچوں نے بہت حرج کیا ہے پڑھائی کا...اگر ممکن ہو تو تم اور بہروز کہیں گھومنے پھرنے کاپروگرام بنا لو۔ میرے خیال میں یہ سارہ کے لیے بہت ضروری ہے۔کچھ دن ماحول بدلے گا۔" انہوں نے مشورہ دیاتھا جو ثمین کوپسند آیا اور وہ خود بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی۔

سارہ شاہ ' جس نے ہمیشہ ہر نگاہ ییں|اپنے لیے تحسین دیکھی تھی' رشک دیکھا تھا' یہ پہلا موقع تھا کہ اسے تذلیل سے واسطہ پڑا تھا' اور اب اسے صحیح معنوں میں پتا چلا تھا کہ اس کے ساتھ کیا المیہ ہوچکا ہے۔اب وہ پہلے کی شان سے "ہم ساہوتو سامنے آئے" کا چیلنج کرتی' تفاخر سے گردن اکڑا کر نہیں چل سکتی تھی۔دوسروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرسکتی تھی۔پہلے کی طرح سر اٹھا کر نہیں چل سکتی تھی۔فلک شگاف قہقہے نہیں لگاسکتی تھی۔اس لیے کہ ...

وہ ایک ہاری ہوئی عورت تھی۔

وہ دل جس کی وہ کبھی حکمراں تھی' اب وہاں کوئی اور راج کرتا تھا۔وہ گھر جو کبھی اس کی ملکیت تھا' اب وہاں کوئی اور بستا تھا' وہ آنکھیں جو اسے سراہتی تھیں' اب وہاں کوئی اور جچتا تھا' یکدم سارہ شاہ کی آنکھیں بھر آئی تھیں لیکن فوراً ہی انہیں ہتھیلیوں سے پونچھتی ہوئی وہ اک عزم سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب ہمیشہ یونہی نہیں رہے گا' ہر چیز' ہر رنگ' ہر جذبے کو پہلی والی حالت میں واپس آنا ہوگااور اس میں کچھ زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔" نفرت سے سر کو جھٹکتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی اور کلینزر سے میک اپ صاف کرنے لگی تھی۔وہ جواتنے دنوں سے فضا کو راستے سے ہٹانے کے معاملے میں کلی سے اتفاق کرنے پر بار بار خود کوملامت کرتی تھی' بے چین اور مضطرب ہو کر ادھر ادھر پھرتی تھی اپنے ارادے پر پشیمان ہوتی تھی' بار بار کلی کو منع کرنے کے لیے فون اٹھاتی تھی' پھر رکھ دیتی تھی اور اب اپنے فیصلے پر مطمئن تھی۔

"اس نے جو کچھ سوچاتھا بالکل ٹھیک سوچاتھا' اسے دنیا میں سر جھکا کر نہیں سراٹھا کر جینا تھا۔"اس نے حتمی انداز میں خود کو باور کرایااور ہر چیز اسے ہمیشہ بنا طلب کیے ملی تھی۔لڑکر' جھگڑ کر' زبردستی چھین کرلینااسے نہیں آتاتھا' اس لیے وقتی طور پر وہ کمزور ضرور پڑگئی تھی 'شکستہ دل بھی ہوگئی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اپناحق حاصل ہی نہ کرسکتی تھی۔

وہ اپنا شوہر اور اپنا گھر اس عام سی شکل وصورت کی کم حیثیت لڑکی کوسونپ کرخود ساری زندگی یوں آنسو بہاتی رہتی؟ اس کی اوقات ہی کیا تھی کہ وہ سارہ شاہ کے راستے میں آتی۔یہ تووہ خود پاگل تھی جو اس کو نکال باہر کرنے کے بجائے خود اس کی ساری راہیں صاف کر آئی تھی۔اپنی بے وقوفیوں اور نادانیوں پرخود کوملامت کرتی ہوئی وہ بہت دنوں کے بعد توجہ کے ساتھ اپنی چہرے کی کلینزنگ کررہی تھی۔آنکھوں کے نیچے پڑے سیاہ حلقوں اور چہرے کی زردی مائل رنگت کو دیکھتے ہوئے اسے حیرت ہوئی تھی کہ آخر وہ اپنے آپ سے اس قدر بے پروا کیسے ہوگئی تھی۔اسی مہینے امان کی سالگرہ تھی۔اس دن وہ وہی سارہ شاہ نظر آنا چاہتی تھی جس پر سے نظریں ہٹانا مراد شاہ بھول جاتے تھے۔موبائل فون اٹھاتے ہوئے اس نے بیوٹی پارلر سے کل کا ٹائم لیااور پھرباقی دنوں میں کیے جانے والے اقدام ترتیب دینے لگی۔

...☆☆☆...

”رجو... صفائی ستھرائی کرلی؟“ فضا نے پائوں پر جلد نرم کرنے والی کریم لگاتے ہوئے رجو کو آواز دی۔

”بس بیگم صاحبہ تھوڑی سی رہتی ہے۔“ رجو نے کہتے ہوئے پرشوق نگاہوں سے فضا کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھاتھا۔

”پتا نہیں ہر گزرتے دن کے ساتھ بیگم صاحبہ واقعی اتنی حسین ہوتی جارہی ہیں یا پھر مجھے ہی لگتی ہیں؟“ رجو نے سوچا۔

”جلدی کرلو... ابھی بہت کام پڑے ہیں۔“ فضا نے نرمی سے تاکید کی تووہ سرہلاتی ہوئی واپس ہوئی پھررک گئی۔

”کیا بات ہے رجو!“

”بیگم صاحبہ! آپ آج کل بہت سوہنی لگتی ہیں جی۔“ اس نے جھجکتے ہوئے کہاتھا۔

”اچھا...“ فضا دھیمے سے ہنسی۔

"اور مسکراتے ہوئے تو آپ اتنی اچھی لگتی ہیں کہ دل چاہتا ہے دیکھتے رہیں۔" رجو بے اختیار کہہ گئی۔

"اوہو بھئی تمہاری اتنی تقریریں تو مجھے پھلا دیں گی اس لیے اب یہ بھی بتادو تمہیں میں بری کس وقت لگتی ہوں' شاباش! فٹا فٹ بتاؤ۔"

"کسی وقت بھی نہیں۔" اس نے فوراً کہا اوراس نے بالکل سچ کہا تھا۔اسے چھوٹی بیگم صاحبہ ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھیں۔وہ اتنی نرمی سے بات کرتی تھیں کہ جیسے لبوں سے پھول جھڑ رہے ہوں اور مسکراہٹ تو جیسے اس کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔رجواکثر اسے ایک ٹک دیکھتی رہتی۔دو سال ہوگئے تھے اسے انور کے ساتھ شادی ہو کر یہاں آئے ہوئے اور ان دوبرسوں میں ایک دن بھی

اس نے بڑی بیگم صاحبہ کوملازموں کے ساتھ یوں ہنستے نہیں دیکھا تھا۔بلکہ ہنسنا تو دور کی بات تھی' کسی ملازم کی جرائت نہیں تھی ان سے فالتو بات کرنے کی' ذرا سا مرضی کے خلاف کچھ ہونے پر وہ فوراً جھاڑ کر رکھ دیتی

تھیں' جبکہ چھوٹی بیگم صاحبہ کو تو اس نے اب تک کسی سے اونچا بولتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ان دونوں میاں بیوی کے تو سارہ شاہ کے جانے کے بعد عیش ہی عیش تھے۔نہ ہی آئے روز دعوتیں ہوتیں' نہ ہی کوئی خاص مہمان آتے' کھانا چھوٹی بیگم صاحبہ خود بناتی تھیں۔دن کا بیشتر حصہ وہ دونوں میاں بیوی فارغ ہی ہوتے تھے ورنہ پہلے تو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ آئے روز محفلیں جمتیں' مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

"شاید انور نے ٹھیک ہی کیا کہ بڑی بیگم صاحبہ کو خط پوسٹ نہیں کیے اچھا ہے وہ نہ ہی آئیں تو۔"

پوری تندہی سے کام کرتے ہوئے رجو نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں خو د کو دیکھتے ہوئے فضا کو رجو کا جملہ سو فیصد سچ لگا تھا۔واقعی وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ایک عجیب سی کشش تھی اس کے چہرے پر جو اب سے پہلے خود اسے بھی دکھائی نہیں دی تھی۔نجانے یہ ان ڈھیروں ڈھیر لوازمات اور اچھی خوراک کا کمال تھا جو وہ

اپنی بیوٹیشن پلس نیوٹریشن مس ٹینا کی ہدایات پر گزشتہ پورے مہینے سے استعمال کررہی تھی یا پھر اس نئی روح کی خوشی کااثر تھا جو اس کے دل وجاں کو نہال کیے ہوئے تھی۔فضا نے اپنے تازہ تازہ ٹرم کیے گئے بے حد ملائم اور دراز بالوں میں برش کرتے ہوئے سوچا۔

...☆☆☆...

”اف! یہ رجو کہاں گھس گئی ہے؟“فضا نے رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے خاصے کوفت کے عالم میں سرونٹ کوارٹر کی جانب جانے والی راہداری کی جانب دیکھا‘ پھربجائے پورچ میں کھڑے رہ کر وقت ضائع کرنے کے اس نے کوارٹر کی جانب قدم بڑھادیئے۔انور اندر کچن میں تھااس لیے وہ ہلکی سی دستک کے ساتھ ہی ادھ کھلے دروازے سے اندر داخل ہوگئی تھی۔رجو کمرے میں نہیں تھی۔’شاید باتھ روم میں گئی ہے۔‘وہ اس خیال کے ساتھ واپس پلٹنے کو تھی جب اچانک اس کی نگاہ کھلی الماری سے ہوتی ہوئی فرش پر پڑی تھی اور وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔بے یقینی سے کھلی آنکھوں کے ساتھ

وہ ایک ٹک فرش پربکھرے ان لفافوں کو دیکھ رہی تھی جن پر لکھا پتا اس کی اپنی لکھائی میں تھا۔دکھ‘ تاسف‘ غصہ‘ حیرانی اور بے یقینی میں گھری وہ سمجھ نہیں پارہی تھی کہ اس پل کیا کر گزرے‘ شدید تناؤ کی کیفیت میں وہ آگے بڑھی اور جھک کر وہ سب لفافے اکٹھے کرلیے تھے۔تبھی اس کے پیچھے ساکت وجامد کھڑی رجو آگے بڑھی تھی اور اس نے فضا کے پاؤں پکڑلیے تھے۔

”بیگم صاحبہ! ہمیں معاف کردیں‘ ہم لالچ میں آگئے تھے جی! شیطان کے پیچھے لگ گئے تھے‘ ہمیں معاف کردیں ہم سے بہت بڑی بھول ہوگئی... ہم نے آپ کو... ہم ...بہت برے... ہمیں معاف کردیں۔“ فضا کے پاؤں کھینچنے پروہ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔اور پھر یونہی روتے ہوئے اس نے اپنی انور کے ساتھ وقتاً فوقتاً ہونے والی تکرار سے لے کر اپنے مان جانے کے فائدے تک سب کچھ بتاڈالا تھا۔فضا چند لمحے اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی تھی پھر ایک گہری سانس لے کر اسے اٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"اگر کچھ لفافے اندر پڑے ہیں تو وہ بھی نکال دو۔" ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے الماری کی جانب اشارہ کیا تھا۔رجو جلدی سے اٹھی تھی۔الماری کے نچلے خانے سے سارے کپڑے نکال کر بستر پر پھینکتے ہوئے اس نے کونے میں پڑے دو اور لفافے لاکر فضا کے ہاتھ میں تھمادیئے تھے۔

"بیگم صاحبہ! ہمیں ..." بے حد لجاجت سے رجو نے کہنا چاہا تھا لیکن فضا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"دیکھو رجو اس وقت میں بہت پریشان ہوں' بہتر ہے ایک دو دن میرا تم لوگوں سے سامنا نہ ہو۔اس لیے تم لوگ اپنے گاؤں انور کی بے بے کے ہاں چکر لگالو' اتوار تک آجانا۔"

ایک اچٹتی سی نگاہ اس پرڈالتے ہوئے فضا نے سپاٹ لہجے میں کہااور تیزی سے کوارٹر سے نکل آئی۔

...☆☆☆...

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اگلے چند دن میں سارہ شاہ میں آنے والی واضح تبدیلی نے ثمین اور بہروز ہاشمی کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کردیا تھا۔وہ پہلے کی طرح بیوٹی ٹپس استعمال کرتی، شاپنگ کرتی، تقریبات میں شرکت کرتی،ہشاش بشاش اور نک سک سے تیار سجی سنوری نظر آنے لگی تھی۔ثمین اور بہروز ہاشمی مطمئن سے ہوگئے تھے۔اس دن بھی وہ امان کے اسکول جانے کے بعد شاہنواز ہاشمی اور صہیب ہاشمی کی طرف جانے کے لیے تیار تھی۔چند دن کی مسلسل دیکھ بھال سے اس کی آنکھوں کے حلقے دور ہوچکے تھے اور مرجھائی ہوئی جلد پہلے کی طرح تروتازہ ہوگئی تھی۔بلیک جینز کے اوپر اسکائی بلیو کرتا پہنے ' تازہ تازہ شیمپو کیے ہوئے بالوں اور مہارت سے کیے گئے میک اپ میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک دلکش نظر آرہی تھی۔ثمین کے دل میں یونہی کسی موہوم سے وسوسے نے سرابھاراتھا۔اور اس نے جلدی سے نگاہ پھیرلی تھی۔

"ثمین ! مسز فراست سے بات ہوئی ؟ میوزیکل پروگرام اٹینڈ کرنے کاارادہ ہے ان کا یانہیں...؟" اپنی مخصوص شاہانہ چال چلتی وہ ثمین کے قریب آکر رکی۔

"بے شک..." ثمین کافی کا مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کی طرف مڑی تھی۔

"واہ! بہت حسین لگ رہی ہو۔"

"شکریہ۔"

"بے پروا سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے گلاسز پر پھونک مارتے ہوئے نادیدہ گرد اڑائی۔

"کس وقت تک آئو گی؟"

"شام کو امان کو اسکول سے میں اور شازمہ بھابی لے لیں گے تم رہنے دینا اور ہاں درزی کے پاس جاؤ تو میرے کپڑے بھی لیتی آنا۔" اس نے جلدی جلدی کہااور پھر سلام کرتی باہر کی جانب بڑھ گئی۔شازمہ بھابی پاکستان سے

تیرہ چودہ سال کی ایک ملازمہ لڑکی لائی تھیں' دروازہ اسی نے کھولا تھا۔اندر داخل ہوتے ہی سارہ کو شازمہ بھابی کے زوروشور سے رونے کی آواز آئی تھی اور اس کا دل جیسے دھک سے رہ گیاتھا۔وہ تیزی سے آگے بڑھی تھی لیکن پھر ٹھٹک کررک گئی تھی۔وہ بے شک اس کی بھابی تھیں لیکن یوں اچانک کسی کے سر پرجاکرکھڑے ہوجانا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔تبھی اسے اندر سے عظمٰی بھابی کی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ تو یوں فکرمند ہو رہی ہیں آپی جیسے پہلی مرتبہ آپ نے بھابی سے ایسی باتیں سنی ہوں'کیا آپ بھول گئی ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہیں' وہ جو گزشتہ کچھ عرصے سے ہم دونوں بہنوں کی اور خاص طور پر آپ کی اس قدر آئو بھگت کررہی تھیں تو صرف اس لیے کہ آپ منال کی شادی نوید سے کردیں اوراس طرح ان کا نکما اور کام چور بیٹا امریکا میں سیٹ ہوجائے۔اب جونہی ان کو آپ کی طرف سے مثبت جواب نہ ملا تووہ فوراً اپنی اوقات پر اتر آئیں جتنی گری ہوئی سوچ کی مالک ہیں وہ' تو ان سے ایسی ہی توقع کی

جاسکتی ہے اور آپ یوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہیں جیسے آپ کو علم نہیں ہے ان کے بارے میں...چلیں اٹھیں، دفع کریں ان کی ہر بات کو۔بہت رلایا ہے انہوں نے ہمیں، اب بھی اگر ہم ان کی باتوں کو دل سے لگائیں تو ہم سے زیادہ پاگل کوئی نہیں ہوگا۔" عظمیٰ بھابی کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرارہی تھی۔اور وہ عجیب سی کیفیت میں گھرتی جارہی تھی۔

"لیکن عظمیٰ! وہ تو چلو بھابی ہیں ہماری، لیکن بھائی جی بھی پاس ہی تھے۔میں نے خود پیچھے سے ان کے بولنے کی آواز سنی تھی۔"

"بھائی جی...؟ چھوڑیں آپی! کوئی اور بات کریں...بھائی جی نے تو اپنی زبان پہلے دن سے ہی بھابی کے پاس گروی رکھ دی تھی۔اس لیے ان کی بے زبانی کا گلہ فضول ہے۔" عظمیٰ بھابی نے تلخی سے کہا۔"اچھا چلیں آئیں ناشتا کریں اور کیا خیال ہے آج ثمین کی طرف نہ چلا جائے۔کافی دن ہوگئے ہیں سارہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔" اس سے پہلے کہ وہ دونوں باہر نکلتیں سارہ شاہ نے قدم آگے بڑھائے تھے اور کمرے میں داخل ہوگئی تھی۔

"سارہ! تم... واہ کیابات ہے بھئی؟ میں اور شازمہ آپی ابھی یہی بات کررہے تھے کہ تم سے مل کر آتے ہیں کیسی ہو؟" اس سے گلے ملتے ہوئے عظمیٰ بھابی نے خوش دلی سے کہاتھا۔شازمہ بھابی بھی جلدی جلدی آنکھیں صاف کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔اور ان سے گلے ملتے ہوئے سارہ شاہ گہری سوچ میں تھی۔پھروہ دونوں مل کراس کی خاطر مدارات میں لگ گئی اور وہ دل ہی دل میں شرمسار ہو رہی تھی۔یہ دونوں اس کی بھابیاں تھیں جن سے اس کا خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن ان دونوں نے ہمیشہ اسے محبت اور مان دیاتھااور وہ ہمیشہ ان کے خلوص، ان کی محبتوں کو اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی رہی تھی۔بلکہ ایک ان پر ہی موقوف کہاں تھا، اس نے تو ہر اک کی محبت کو ہی یونہی لیا تھا وہ کبھی جان ہی نہیں سکی تھی کہ یہ اس کی کتنی بڑی خوش نصیبی تھی کہ اتنی ساری محبتیں اسے حاصل تھیں۔پھر جب تک وہ وہاں رکی، بار بار اس کا دل چاہتا رہا تھا کہ وہ شازمہ بھابی اور عظمیٰ بھابی کو بتائے کہ وہ بے حد اچھی ہیں اور یہ کہ وہ بھی انہیں بے حد چاہتی ہے۔ان سے بہت محبت کرتی ہے لیکن وہ ایساکچھ بھی نہیں کہہ سکی تھی۔

ہر بار ایک عجیب سی جھجک آڑے آجاتی کہ وہ کیا سوچیں گی کہ اتنے سال گزارنے کے بعد اب سارہ شاہ کو علم ہوا ہے کہ وہ اچھی ہیں‘ جب اپنا گھر چھوڑ چھاڑ کر ان کے سہارے پر یہاں آکر بیٹھی ہے تو...!

پھر اپنی اس سوچ پر اسے خود ہی حیرت ہوئی تھی۔یہ وہ کس طرح سوچنے لگی تھی۔اس نے پہلے تو ایسے کبھی نہیں سوچا تھا۔مگر اس نے اس سے پہلے دوسروں کے بارے میں سوچا ہی کب تھا! وہ تو ہمیشہ اپنی ہی ذات کے حصار میں گھری رہی تھی‘ اپنے ہی بارے میں سوچتی رہی تھی‘ اس کی زندگی سے وابستہ ہر فرد اس سے بے تحاشا محبت کرتاتھا مگراس نے خود کسی کو محبت لوٹائی تو دور کی بات تھی‘ کبھی جتائی تک نہیں تھی۔آج اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگ رہاتھا۔ثمین اسے یوں کھویا کھویا سا دیکھ کر حیران ہوئی۔وہ صبح جس قدر پرجوش تھی اب اتنی ہی بجھی بجھی سی نظر آرہی تھی‘ ثمین نے ایک آدھ بار پوچھا پر زیادہ کریدنامناسب نہ سمجھتے ہوئے خاموش ہوگئی اور جب ثمین اپنے بیڈروم میں چلی گئی تو سارہ شاہ جیسے یکدم چونکی تھی‘ پھراپنا سر

دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔وہ جذبوں کے اظہار میں کس قدر ناکام تھی اسے شدت سے احساس ہوا تھا۔کئی دنوں کے بعد اس رات پھر وہ رات گئے تک جاگتی رہی تھی‘ عجیب متضاد قسم کی سوچیں تھیں جو اسے گھیرے ہوئے تھیں۔شام کو لکی کا فون آیا تھا وہ

لوگ چند دن پہلے پاکستان پہنچ چکے تھے اور ایک دو دن میں اسے خوشخبری سنانے والی تھی۔

”مگر کیا واقعی یہ خوشخبری تھی... اور اگر تھی تووہ خوش کیوں نہیں تھی... یہ مسلسل اضطراب اور بے چینی کیوں تھی...نیند آنکھوں سے دور کیوں تھی ...“ کروٹ بدلتے ہوئے سارہ شاہ نے الجھ کر سوچاتھااور تھک کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔ایک نظرامان پرڈالی جو بے خبر سو رہاتھا آہستگی سے اس کی پیشانی پربوسہ دیتے ہوئے وہ بستر سے نیچے اتر آئی۔

غیرارادی طور پراس نے موبائل فون اٹھایااور مراد شاہ کانمبر ملایا تھا لیکن بیل جاتے ہی اسے خیال آیا تھا کہ یہ وہ کیا کررہی ہے نہ جانے اس وقت وہ

کہاں ہوں اور کیا کررہے ہوں...؟ اس نے فوراً آف کا بٹن دبایا تھا لیکن دل کچھ اور بوجھل ہوگیا تھا۔

"تو مراد اب آپ سے بات کرنے کے لیے بھی مجھے سوچنا ہوگا۔بلکہ اب تو میں جب بھی فون کروں وہ بے وقت ہی ہوگا' آپ یقینا مجھ سے بات نہیں کرنا چاہیں گے لیکن مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔کیونکہ یہ جو کچھ ہوا ہے میری ہی وجہ سے تو ہوا ہے۔نہ میں آپ کو اس قدر نظر انداز کرتی نہ یہ سب ہوتا۔لیکن اب مجھے پتا چل گیا ہے کہ میں آپ سے بے تحاشا محبت کرتی ہوں۔شاید اس سے بھی زیادہ جتنی آپ نے مجھ سے کی ہے' اب آپ دیکھیں گے کہ مجھ میں کتنی بڑی تبدیلی آئی ہے اور یہ سب صرف اور صرف آپ کو پھر سے پانے کے لیے ہے مراد' میں آپ سے بہت محبت کروں گی... اتنی محبت کہ آپ میرے سوا سب کچھ بھول جائیں گے۔" سیل فون کو دونوں ہاتھوں میں بھینچتے ہوئے وہ سرگوشی کے سے انداز میں کہہ

رہی تھی۔لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وقت ہمیشہ انسان کے اختیار میں نہیں رہتا نہ ہی خوش نصیبی ہمیشہ اس کی دستک کے انتظار میں رہتی ہے۔

وقت کو ہمیشہ اپنے اختیار میں رکھنا ہو' خوش نصیبی کے اس اعزاز کو برقرار رکھنا ہو تو وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی آواز کو سننا پڑتا ہے اس کے تقاضوں کو سمجھنا پڑتا ہے۔سارہ شاہ یہ سب نہیں کرسکی تھی اور وقت اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔

"سارہ ...یہ تمہاری ڈاک آئی تھی کل... مجھے شام کو بتانا یاد نہیں رہا۔"

صبح ناشتے کے بعد ثمین نے ایک پارسل اس کی طرف بڑھایا۔

"پاکستان سے...؟" زیر لب کہتے ہوئے کچھ الجھن آمیز انداز میں سارہ شاہ نے ڈاک دیکھی۔انجان لکھائی تھی۔اس نے پلٹتے ہوئے پارسل کی پچھلی طرف نگاہ ڈالی تھی۔اس کے ذہن میں جیسے جھماکا ہوا تھا۔آنکھوں میں ایک گہری حیرانی اتر آئی تھی۔

"سارہ! ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ڈیڈی انہیں اسپتال لے کر جارہے ہیں۔میں جارہی ہوں۔بچے اسکول سے آئیں گے تو تم انہیں دیکھ لینا۔" ثمین پریشان سی بیگ کندھے پر ڈالتی بولی۔

"ٹھیک ہے! " وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں ثمین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ثمین نے تیزی سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

"اسپتال پہنچ کر فون کردینا ثمین۔" اچانک خیال آنے پر اس نے پکاراتھااوراس کے جانے کے بعد چند لمحے الجھے الجھے سے انداز میں پارسل کو دیکھتی رہی تھی۔پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کھول لیاتھا اوراس کی حیرت دوچند ہوگئی تھی۔وہ تقریباً بیس پچیس لفافے تھے۔سب سے اوپر والے کے اوپر مارکر سے نمایاں انداز میں تاریخ لکھی گئی تھی' نچلے پراس سے پچھلے ہفتے کی تاریخ تھی۔ایک ایک کرکے سارہ لفافے اٹھاتی گئی اور سب سے آخری لفافے پر سارہ شاہ کے امریکا آنے کے چند دن بعد کی تاریخ تھی۔اس نے بے اختیار ہی لفافہ کھولا تھا۔اس کی نگاہیں لفظوں پر دوڑنے لگی تھیں۔ایک

کے بعد دوسرا' تیسرا...پھروہ سب خطوط اس نے پڑھ ڈالے۔بہت دیر وہ پتھر کے مجسمے کی مانند کھوئی کھوئی سی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی پھریکدم جیسے اس پتھر کے مجسمے میں حرکت ہوئی تھی۔وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی اور فون اٹھاتے ہوئے تیزی سے کئی کانمبر ملایا۔اس کاموبائل فون بند تھا۔ایک بار' دوبار' اور پھربیسیوں بار اس نے نمبرملایا تھا۔دورپار کی عزیز رشتے دار اور دوست جو کوئی ذہن میں آرہاتھا جس کے توسط سے کئی سے رابطہ ہوسکتا' اسے فون کرکے کئی سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر طرف سے ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا تھا۔انتہائی اضطراب کے عالم میں گھر میں ادھر سے ادھر چکراتے ہوئے اس کی ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔شدید الجھن اور ذہن پر طاری مسلسل تناؤ کی وجہ سے سر جیسے درد کے مارے پھٹنے کو تھا۔کچھ سمجھ میں نہیں آرہاتھا کہ آخر کیا کرے...کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے سب سے اوپر رکھا کاغذ سیدھا کیا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے وہ سطریں تھیں جنہیں اس کی آنکھوں سے بے اختیار ہو کر نکلنے والے دوقطروں نے پھیلا دیاتھا۔

"سارہ باجی! میری تمام التجائوں کے جواب میں آپ کی طرف سے مکمل خاموشی میرے لیے کتنی اذیت ناک ہے۔کاش میں آپ کو بتاسکتی۔اگر اب بھی آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں سمجھوں گی کہ جیسے باپ کی شفقت اور ماں کی محبت میر امقدر نہیں ' بھائیوں کاتحفظ اور مان میرا مقدر نہیں تھاایسے ہی کوئی بھی اور رشتہ اللہ نے میرے لیے نہیں بنایا۔آپ کا گھر اور وہاں کی ہر چیز آپ کی منتظر ہے' میں وہاں نہیں گئی' آپ کی کسی چیز کو نہیں چھیڑا' سب کچھ آپ کا ہے سارہ باجی 'وہ گھر' اس کی ہر چیز سے لے کر شاہ جی او رامان تک ... سب کچھ...میں تو بس آپ لوگوں کی زندگی میں تھوڑی سی جگہ چاہتی تھی' کچھ ایسے رشتے جنہیں میں اپنا کہہ سکوں' جن سے محبت کرسکوں' اور جن کا خیال رکھ سکوں... لیکن آپ کو اگر یہ منظور نہیں تو کوئی بات نہیں... بس آپ لو ٹ آئیں خدارا 'میں وعدہ کرتی ہوں

کہ میں آپ کی زندگی سے بہت دور چلی جائوں گی' کبھی واپس پلٹ کر نہ آنے کے لیے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بے اختیار سارہ شاہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ کاغذ پر گرنے لگے تھے۔تبھی اس کا فون بجاتھااوراس نے لپک کر بے قراری سے فون اٹھایا لیکن ثمین کانمبر دیکھ کر اس کی امیدوں پر اوس سی پڑگئی تھی' بے دلی سے اس نے فون اٹینڈ کیا۔"اب کیسی طبیعت ہے آنٹی کی...؟"

"ٹھیک ہیں سارہ! چیک اپ کے بعد ہم لوگ گھر آگئے ہیں۔پریشانی والی کوئی بات نہیں... بس بی پی کچھ بڑھ گیاتھا... تم سنائو کیا کررہی ہو...اور یہ تمہاری آواز کیوں بھاری ہو رہی ہے...؟ تم رو رہی ہو سارہ!" ثمین بری طرح بے چین ہوگئی تھی۔

"ہاں ثمین مجھ...مجھے...تم ...تمہاری اور بہروز بھائی کی مدد کی ضرورت ہے...مجھے فوراً پاکستان جانا ہے ثمین!" روانی سے بہتے آنسوئوں کے درمیان اس نے یکدم ہی جیسے فیصلہ کرلیا۔

"خیریت تو ہے سارہ!" ثمین نے متوحش ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ہمیشہ بہت غلطیاں کی ہیں ثمین لیکن اب جو کچھ میں نے کیا ہے وہ تو نہ بتانے کے قابل ہے 'نہ معافی کے۔" روتے ہوئے وہ ثمین کو مختصراً پوری بات بتاتی چلی گئی۔

...☆☆☆...

"سارہ...!" کِکی اسے یوں اپنی سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

"کک...! خدا کا شکر ہے کہ تم مجھے مل گئیں۔میں بہت فکرمند تھی کہ پتا نہیں مجھے تمہیں کہاں کہاں ڈھونڈنا پڑے گا۔سارا راستہ بس میں یہی سوچتی رہی اور تمہارا فون بھلا کیوں آف تھا...؟ میں نے بے تحاشہ کالز کیں مگر کوئی جواب نہیں...؟"بغیر کسی قسم کی سلام دعا کے وہ تیز لہجے میں جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

"سارہ...! تم یوں اچانک...؟ اور پلیز پرسکون ہوکر بیٹھو تو سہی' یہ کیا کہ ..." کِکی حیران وپریشان سی اس کی طرف بڑھی تھی مگر سارہ کے دل ودماغ پر اس وقت صرف فضا کی فکر سوار تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کِکی! جلدی کرو پلیز! نومی بھائی کو فون کرو 'فضا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے... پلیز کِکی!" وہ بے قراری سے بولی تھی۔

"اب کچھ نہیں ہوسکتا سارہ ...! "کِکی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا...! کیامطلب ہے تمہارا؟" وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کِکی کو دیکھنے لگی۔

"ہاں ... بارہ بجے کے قریب نومی کا فون آیا تھا' وہ کہہ رہا تھاابھی تھوڑی ہی دیر میں مجھے کامیابی کی خبر سنائیں گے۔اس وقت وہ فضا کی گاڑی کے بالکل قریب تھے پھر میں فون بند کرکے سوگئی تھی۔ابھی اٹھی ہوں تو فون کیا ہے مگر نومی کا سیل فون آف ہے' اچھا تم آئو تو سہی...یہ کیا...!" وہ کہہ رہی تھی لیکن سارہ شاہ اس کی پوری بات سنے بغیر پلٹی اور بھاگتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ٹیکسی ڈرائیور نے اسے آتے دیکھ کر فوراً ٹیکسی اسٹارٹ کی اور اگلے ہی لمحے وہ ٹیکسی کو اس کے بتائے ہوئے راستوں پر بھگارہاتھا۔

...☆☆☆...

”صاحب جی...صاحب جی... ابھی ابھی رجو کا فون آیا ہے جی! وہ بتا رہی ہے کہ وہ اور بیگم صاحبہ اسپتال میں ہیں... پھر فوراً ہی لائن کٹ گئی صاحب جی! میری تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا اب میں کیا کروں... شکر ہے آپ آگئے جلدی سے بیگم صاحبہ کو فون کریں جی... وہ خیریت سے تو ہیں دوپہر سے شام ہوگئی ہے پتا نہیں کیا ہوا ہے جورجو اسپتال سے ...اللہ خیر کرے۔“ مراد شاہ گاڑی سے نکلے ہی تھے جب انور کے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہے گئے جملوں نے انہیں جیسے منجمد کردیا تھا۔پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب انور کی حیران وپریشان سی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔

”بیگم صاحبہ جی آپ ...!“ وہ ہڑبڑا کر پلٹے اور اپنے پیچھے کھڑی پھیلی پھیلی آنکھوں اور پتھر کے مجسمے کی مانند ساکت وجامد کھڑی سارہ شاہ پر نظر پڑی تھی۔وہ ایک ثانیے کو حق دق سے اسے دیکھتے رہے تھے تبھی بے حد آہستہ

آواز میں اس کے لبوں سے سرگوشی کے سے انداز میں نکلنے والے جملے نے ان کے جسم سے جیسے روح کھینچ لی تھی۔

”میں نے اس کو اپنی راہ سے ہٹادیا‘ قتل کروا دیا ہے میں نے اس کا... قتل... ابھی وہ آئے گی ... اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے نہیں ...اسٹریچر پر... اس کی میت...“ وہ اور بھی کچھ کہہ رہی تھی مگر مراد شاہ کی سماعت جیسے مفلوج ہوکررہ گئی تھی۔بے جان ہوتے جسم اور بے یقینی سے پوری کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہے تھے ‘قدموں تلے کی زمین ریت کی مانند انہیں پاؤں کے نیچے سے کھسکتی معلوم ہو رہی تھی۔پھر ایک دم ان کے جسم میں حرکت ہوئی ‘ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کے وجود میں اک آتش فشاں دہک اٹھا ہو...

”تم ...ذلیل ...عورت۔“وہ لپک کر سارہ شاہ کی طرف بڑھے او ر دونوں ہاتھوں سے اس کا گلا دبوچ لیا۔

”میں... میں تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا سفاک عورت!“

”شاہ جی... شاہ جی یہ کیا کررہے ہیں آپ...؟“ فضاپوری طاقت سے انہیں پیچھے کھینچتے ہوئے چلائی۔

”فضا...! وہ یوں آنکھیں پھاڑے فضا کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ فضا نہیں بلکہ اس کی روح ہو۔

وہ ان کی کیفیت سے بے خبر لپک کر سارہ کی طرف بڑھی تھی جو گلے پر ہاتھ رکھے بری طرح کھانس رہی تھی۔

”رجو ! پانی لاؤ جلدی سے کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو؟‘ رجو کو ڈپٹتے ہوئے اس نے سارہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”آپ آگئیں ناسارہ باجی مجھے یقین تھا‘ آپ ضرور آئیں گی۔“ مارے خوشی کے فضا کی آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی تھی۔”آئیں آپ...اندر آئیں...“ وہ سارہ شاہ کا ہاتھ تھامے اسے اندر کی طرف کھینچ رہی تھی۔مراد شاہ کچھ دیر کھڑے ٹکرٹکر اس کامنہ دیکھتے رہے تھے پھر تیزی سے آگے بڑھے اور ایک

جھٹکے سے سارہ شاہ کے بازو کو فضا سے چھڑایا اور اسے باہر کی طرف دھکا دیا۔

”نہیں آسکتی یہ اندر...ہرگز نہیں ...“

”کیا ہوگیا ہے شاہ جی آپ کو... کیوں آپ اس طرح کررہے ہیں ؟ کتنی مشکل سے میں نے انہیں آنے کے لیے راضی کیا ہے‘ کتنے خط لکھے ہیں میں نے انہیں اوراب جب وہ آگئی ہیں تو آپ ایسے کررہے ہیں؟ کیوں شاہ جی! کس لیے؟“ وہ روہانسی ہوگئی۔

”فضا یہ...یہ عورت تمہاری دشمن ہے تم اسے نہیں جانتیں... یہ کس قدرخود غرض‘ بے حس اور سنگدل ہے تمہیں کچھ خبر نہیں ...“

”آپ کیسی باتیں کررہے ہیں شاہ جی! کیوں میری ساری خوشی ملیامیٹ کررہے ہیں‘آپ جانتے ہیں نا میں نے اس دن کے لیے کتنی دعائیں کی ہیں۔“ وہ ان کی بات کاٹتے ہوئے التجائیہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔مراد شاہ کی سمجھ میں نہیں آرہاتھا وہ کیا کریں کیسے اسے سمجھائیں وہ تو جیسے ان کی کوئی

بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔سارہ شاہ نے چند گھونٹ پانی پیااور گلاس رجو کو تھماتے ہوئے خالی خالی نگاہوں سے مراد شاہ اور فضا کو دیکھا۔

”شاہ جی ! مجھے یقین ہے اللہ نے سارہ باجی سے ملانے کے لیے ہی آج مجھے بچایا ہے‘ اتنا خوفناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔سامان سے بھرا ٹرک ہماری گاڑی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا میں نے تو آنکھیں بند کرتے ہوئے کلمہ بھی پڑھ لیا تھا پھر پتا نہیں کیا ہوا جیسے کسی فرشتے نے پل میں اسٹیئرنگ تھام کر گاڑی سائیڈ پر کردی... اور اسپتال تو یہ رجو مجھے ضد کرکے لے گئی ورنہ مجھے تو ایک خراش تک نہیں آئی۔“ فضا نے جھرجھری لیتے ہوئے بتایا۔اس کامقصد مراد شاہ کو نرم کرنا تھا۔سارہ شاہ نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گہری سانس لی اور مراد شاہ نے کھاجانے والی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔اس کا خوب صورت چہرہ آج انہیں انتہائی کریہہ دکھائی دے رہاتھا۔

وہ خودغرض تھی

خود پرست تھی

بے حس تھی

لیکن ...!

وہ اس قدر سنگدل بھی ہوسکتی تھی...

اس قدر پستی میں بھی گرسکتی کہ کسی کی جان لینے پر ہی تل جائے۔وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔انہیں خود پر شرم آرہی تھی کہ انہوں نے اس عورت سے محبت کی تھی‘ اپنی زندگی کے بے حد قیمتی ماہ وسال اس کی اک اک ادا پرنثار ہوتے بسر کیے تھے۔

”کیا یہ عورت اس قابل تھی کہ اس سے محبت کی جاتی؟ اس پر نثار ہوا جاتا... نہیں ... ہرگز نہیں ...“ انتہائی نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔ اوراس نگاہ نے سارہ شاہ کو کاٹ کررکھ دیا۔اس نے پوری شدت سے آنکھیں میچ لی تھیں۔دل کا کرب آنسو بن کر آنکھوں سے بہنے کے بجائے اس کی رگوں میں دوڑنے لگا۔کتنا مشکل ہے کسی کی نگاہوں سے گر کر جینااور وہ بھی

اس شخص کی جسے آپ دل وجان سے چاہتے ہوں،جس کی نگاہوں میں سرخرو ہونا چاہتے ہوں۔

”فضا! پلیز سمجھنے کی کوشش کرو، یہ عورت کبھی بھی تمہاری محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی، یہ تمہیں ... تمہیں کیسے سمجھاؤں میں... کیسے سمجھاؤں۔“ مراد شاہ نے سر دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔اذیت سے لبوں کوکچلتے ہوئے سارہ شاہ نے ان کی طرف دیکھاتھا۔

”یہ تم سے نفرت کرتی ہے فضا اسے صرف نفرت کرنا آتی ہے۔صرف نفرت، یہ فضا نہیں سارہ شاہ ہے، سارہ شاہ جو کبھی محبت نہیں کرسکتی۔“

سارہ کو محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ہوں۔اس سے پہلے کہ ان ٹکڑوں سے رستا لہو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلتا او رایک ایک ٹکڑا چلا چلا کر اس محبت کااظہار کرنے لگتاجو اب تک اس کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی تھی، وہ کانوں پرہاتھ رکھتی بھاگتی ہوئی گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

...☆☆☆...

دو دن ...صدیوں اور قرنوں جیسے طویل دو دن گزر چکے تھے۔سارہ شاہ اس کمرے میں بند تھی نہ اسے بھوک کا احساس تھا نہ پیاس کا... بوڑھاچوکیدار اور اس کی بیوی کھانے کا پوچھنے آتے اور دروازے پر دستک دے کر حیران وپریشان واپس چلے جاتے۔

”یہ فضا نہیں سارہ شاہ ہے، سارہ شاہ! جو کبھی محبت نہیں کرسکتی۔“

کمرے میں اک وحشت ناک سناٹا تھا، اس سناٹے میں گونجتی یہ بازگشت اور روتی سسکتی سارہ شاہ۔

”مم...میں محبت کرسکتی ہوں مراد شاہ ، بہت محبت کرتی ہوں میں آپ سے، شش ...شاید اس سے بھی زیادہ جتنی آپ مجھ سے کرتے تھے۔“ وہ بستر پر کروٹیں بدلتی، دیواروں سے لپٹتی فرش پر دوزانو بیٹھی ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہتی۔رو رو کر اس کی آنکھیں بے تحاشا سوج چکی تھیں۔لب خشک

ہو چکے تھے' چہرہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔وہ وقت جو گزر چکا تھا واپس لایا جاسکتا تو سارہ شاہ وہ وقت واپس لاتی جب مراد شاہ کی بے پناہ محبت اور چاہت صرف اس کے لیے تھی' وہ ان لمحوں کو واپس لاتی جب مراد شاہ کو اس کی محبت کی طلب تھی تب وہ انہیں بتاتی کہ وہ ان سے کس قدر محبت کرتی ہے... لیکن وہ لمحے جو گزر چکے تھے وہ واپس نہیں آسکتے تھے۔اس نے بکھرے اور الجھے ہوئے بالوں کو چہرے سے پیچھے ہٹا تے ہوئے حسرت ویاس سے سوچا تھا۔پھر جیسے یکدم وہ بری طرح چونکی تھی۔

''امان...'' بہت دھیمی سرگوشی سی اس کے لبوں سے نکلی تھی۔وہ بے چینی سے بستر سے اٹھی۔

''اوہ میرے خدا دو دن سے میں نے امان سے بات نہیں کی وہ کس قدر پریشان ہوگا' باقی سب کو بھی تنگ کرر کھا ہوگا۔'' اس نے ہینڈ بیگ کی تلاش میں نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں تو بیگ دروازے کے قریب پڑا نظر آیا۔ اس نے بے چینی سے بیگ اٹھاتے ہوئے سیل فون نکال کر دیکھا تو چارجنگ

بالکل ختم تھی۔چارجر لگاتے ہوئے وہ فضا اور اس کی اعلیٰ ظرفی کے بارے میں سوچنے لگی۔کیسے اس نے اپنے دل کا ٹکڑا ہمیشہ کے لیے اسے سونپ دیا تھا اور اس پر اس کی عاجزی' جس نے سارہ شاہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

''سارہ باجی آپ یہاں آجائیں یا پھر وہاں رہیں' امان آپ کا بیٹا ہے' آج بھی اور کل بھی... اگر آپ فون پر کبھی کبھار بات کروادیں تو مجھے خوشی ہوگی لیکن اگر آپ کو یہ اچھا نہ لگے تو کوئی بات نہیں۔'' اس کا لکھا ہوا جملہ لفظ بہ لفظ سارہ کو یاد تھا۔

اسے فضا سے عجیب سی انسیت محسوس ہو رہی تھی۔کچھ تھا اس عام سی لڑکی میں جو اسے خاص' بہت خاص بناتا تھا' اسے دل کے قریب لاتا تھا' شاید اس کا بے لوث خلوص اور اس کی بے غرض محبت... بے شک وہ اس قابل تھی کہ مراد شاہ جیسا شخص اسے اپنے دل میں بساتا۔نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ سارہ شاہ نے دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا تھا۔سارہ شاہ سے ہمیشہ محبت کی گئی تھی' محبت دینا اسے نہیں آتا تھا اور محبت لینا صرف اسے آتی ہے جو

محبت دینا جانتا ہو اور محبت دینا ضرور آنا چاہیے ورنہ ایک وقت آتا ہے کہ پوری کائنات پاس ہوتے ہوئے بھی انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے۔

گو یہ بات سارہ شاہ نے بہت دیر سے جانی تھی لیکن جب جان لی تھی تو اب وہ ایسا وقت آنے دینا نہیں چاہتی تھی۔وہ وقت جو گزر چکا تھا اسے واپس لانا ممکن نہیں تھا' اور جو کچھ کھودیا تھا اسے پانا بھی بہت مشکل تھا لیکن یہ وقت جو اس کے ہاتھ میں تھا اسے یوں گزارنا اس کے اختیار میں تھا کہ کل اسے پچھتانا نہ پڑتا... یہ دکھ جو اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کررہا تھا ایسا کوئی اور دکھ اٹھانا نہ پڑتا۔

امان سے بات کرنے کے لیے فون اٹھاتے ہوئے اس نے سوچا کہ اس کے بعد وہ تینوں بھابیوں اور بھائیوں سے بات کرے گی اوران بے لوث محبتوں کا شکریہ ادا کرے گی جو وہ اب تک اس سے کرتے رہے تھے۔ابھی اسے فضا کاشکریہ بھی ادا کرنا تھا جس نے اسے محبت کرنا سکھایا تھا۔اورمراد شاہ ! مراد شاہ سے کیا کہے وہ؟ اور کیسے؟ اور کیا وہ اس کا یقین کریں گے...؟ کرب

سے لبوں کو بھینچتے ہوئے سارہ شاہ نے سوچا اور اسے اپنے اردگرد پھیلا سناٹا کچھ اور گہرا ہوتا محسوس ہوا تھا۔

مگر اسے مراد شاہ کو ہر حال میں اپنی محبتوں کا یقین دلانا تھا اوراسے معلوم تھا' وہ مان جائیں گے کیونکہ وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور جو محبت کرتے ہیں وہ اعلیٰ ظرف بھی رکھتے ہیں۔" یہ اس کایقین تھا۔وہ اک عزم سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

ختم شد